غاسق

ازقلم زید زوالفقار

مکمل ناول

ناول بینک ویب پر شائع ہونے والے تمام ناولز کے جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہے۔ خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جا سکتی ہے۔ اگر آپ اپنی تحریر ناول بینک پر شائع کروانا چاہتے ہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں سینڈ کردیں۔ آپ کی تحریر ناول بینک ویب پر شائع کردی جائے گی۔

E-mail : pdfnovelbank@gmail.com
WhatsApp : 92 306 1756508

ناول بینک انتظامیہ

پہلا باب

(پناہ)

" میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے "

رات کا آخری پہر تھا۔

ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ بنی آدم اپنے اپنے ٹھکانوں میں پناہ گزین سکون کی نیند سو رہی تھی۔ ایسے روح کو جما دینے والے جاڑے میں باہر نکل کر وہ ویسے بھی کونسی کمائی کر لینے والے تھے۔ سڑک ویران پڑی تھی۔ آسمان خاموش تھا۔ آوارہ کتے بھی ساری رات بھونک بھونک کر اب تھک چکے تھے۔ وہیں قبرستان کے آہنی دروازے سے لگ کر کوئی یہاں، کوئی وہاں نڈھال سے پڑے تھے۔

وہیں قبرستان میں زرا آگے چل کر، اندھیروں اور ویرانیوں کے بیچوں بیچ وہ جگہ تھی جو ایسی بھی بے آباد نہیں تھی۔ اس تازہ بنی قبر کے پاس وہ ذی نفس موجود تھا جو کہ سر جھکائے زیرِ لب کچھ بڑبڑانے میں مصروف تھا۔ اسکے پاس زمین پہ آڑھی ترچھی لکیریں کھینچی گئی تھیں جن پہ کئی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک دیپ، ایک کٹوری میں خون، مردار جانور، ایک پنجرے میں قید چمگادڑ، کچھ زنگ آلود کیل، ایک کھوپڑی اور جانے کیا الا بلا۔ الغرض یہ کہ ہر وہ چیز جو ایک جیتے جاگتے انسان کو ہیبت میں ڈال سکتی تھی، وہاں موجود تھی۔

اس انسان نے خون میں انگلی ڈبو کر قبر پہ کچھ لکھنا شروع کیا تھا۔ وہ نا سمجھنے میں آنیوالے الفاظ تھے۔ کچھ اعداد، کچھ حروف۔ زندہ چمادڑ کا پنجرہ بھی قبر پہ رکھ کر وہ اس پہ مٹی کا تیل چھڑکنے لگا تھا۔

"اشطامان کی سرکار میں زندگی کی بھینٹ کہ وہ خوش ہو جائیں اور ہماری طرف لوٹ آئیں۔"

شعلوں کی لپٹوں کے بیچ پھڑپھڑائی چمادڑ اب اپنی منحوس آواز میں چیخنے لگی تھی۔

اس انسان نے اب وہ مردہ گوشت چبانا شروع کیا تھا۔ خون اسکے ہونٹوں سے بہتا اسکا چہرہ رنگنے لگا تھس۔

"میرے آقا مجھے اپنی غلامی میں لے لیں۔کہ انکا راج ہو، ہر طرف اور مجھ پہ اور یوں وہ حکومت کریں"

اس قبر کے گرد عجیب انداز سے چکر کاٹتے، ان بے معنی جملوں کا جاپ کرتے ہوئے، اس نے اپنے کپڑے پھاڑنا شروع کیئے تھے۔ آگ کی لپٹیں زندہ جانور کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھیں۔ فضا میں وہ گندی سی بُو پھیلنے لگی تھی۔ چِلہ کرتے کرتے وہ ذی نفس خود کو برہنہ کر چکا تھا۔

"ماہان اشطامان کے لیئے کہ وہ یہ تحفہ قبول کریں۔ وہ جسم چاہیں تو لے لیں، اور روح بھی کہ انکی ہی تو امانت ہے"

اس کڑکڑاتے جاڑے کے موسم میں، آسمان تلے اس وجود نے اپنے بدن کو اس خون سے رنگنا شروع کیا تھا۔ وہ منتر دہراتے لب، یہاں وہاں سرسراتی انگلیاں ہر عضو کو لال کرتی جاتی تھیں۔

" شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے "

وہ درسگاہ تھی۔

،ایک سلیقے سے دو قطاروں میں تپائیاں جوڑی گئی تھیں جن پہ قرآن پاک رکھے بچیاں پڑھنے میں مصروف تھیں۔ سر پہ سلیقے سے سکارف اور ڈوپٹے اوڑھے ہوئے، سر جھکائے، اپنا اپنا سبق دہراتی ہوئیں۔

" ماہین، تمہاری باری "

نو دس سالہ وہ بچی اس آواز پہ اٹھی، قرآن پاک کو سینے سے لگائے معلمہ کے پاس جا بیٹھی تھی۔

" بسم اللہ الرحمن الرحیم "

اسکی آواز میں اسکا معصوم بچپن بڑی خوبصورتی سے بولتا تھا۔ اسکے چہرے کے نقوش میں بھی اسکی جھلک تھی۔ ہلکی بھوری آنکھیں، ستواں سی ناک، خوبصورت سی مسکراہٹ اور نکھری سی رنگت

" شاباش "

وہ سبق سنا چکی تو ادب سے اٹھی اور واپس اپنی جگہ جا بیٹھی تھی۔

اردو ناول اور سٹوریز کی سب سے بڑی ویب سائٹ
www.urdunovelbank.com

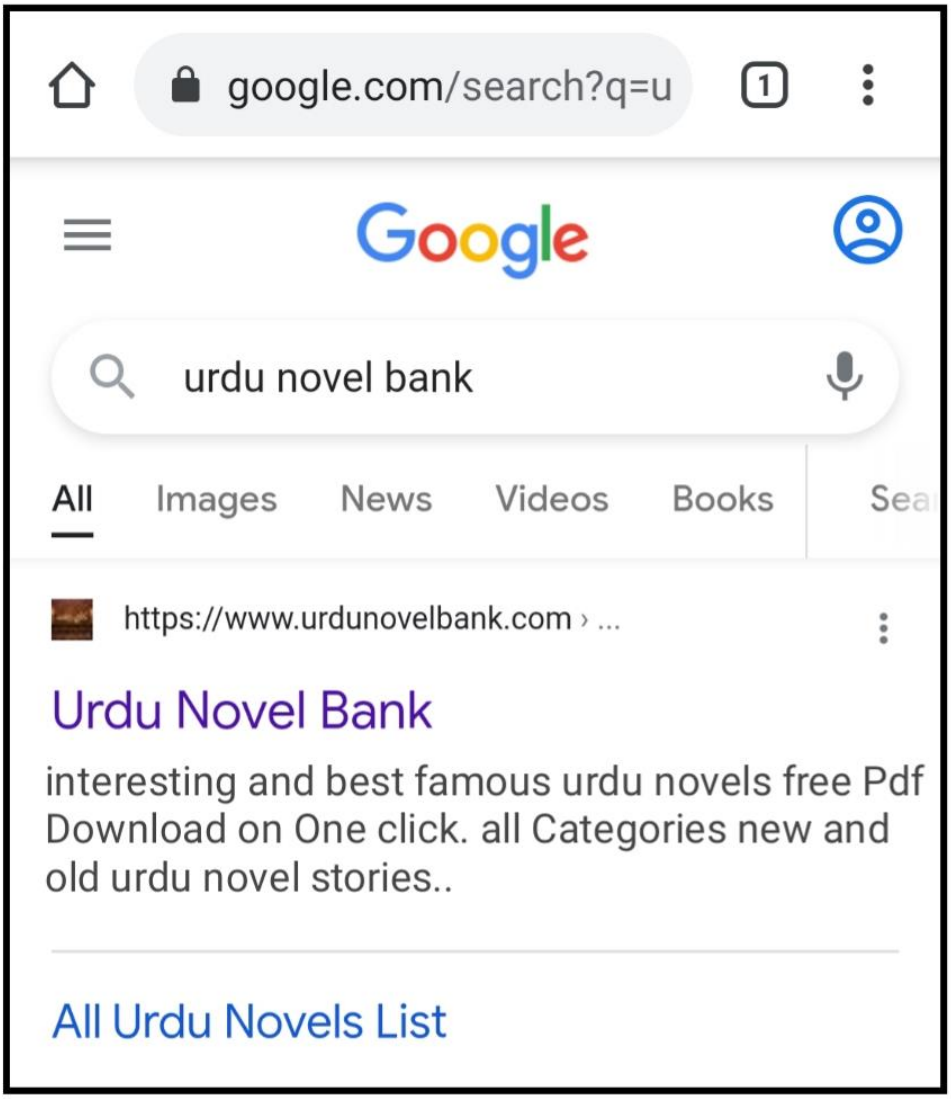

Urdu Novel Bank website
جہاں ملے آپ کو نئے اور اچھے معیاری ناول تمام کیٹگری میں۔۔۔
گوگل پر ٹائپ کریں
Urdu Novel Bank
اور ویب سائٹ سے ڈاؤنلوڈ کریں ہزاروں مکمل ناول مفت میں

"کہہ دیجیئے کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے مالک کی۔۔ "

اس گنجان آباد محلے پہ تیرتا آسمان ایک نئی صبح کو خوش آمدید کہہ چکا تھا۔ فجر کو قضا ہوئے مدت ہو چکی تھی۔ زرد سا سورج مہین کرنوں کی شال اوڑھے سفید بدلیوں سے کچھ کہہ رہا تھا۔ وہیں کبوتروں کی ٹولیاں گول گول دائروں میں چکر کاٹ رہی تھیں۔ ہاں صبح ہو چکی تھی۔

اب گھروں سے دھواں اٹھنے لگا تھا۔ پراٹھوں کی خوشبو، روٹی کی مہک، چائے کی کڑوی باس۔ زندگی انگڑائیاں لیتی نیند اتار رہی تھی۔ سنہری کرنیں در و دیوار سے لپٹی ساری رات کے داغ چھپا چکی تھیں۔ اندرون شہر کے اس تین پورشنز پہ مبنی گھر میں بھی صبح طلوع ہو چکی تھی۔

" السلام علیکم امی "

قرآن پاک سینے سے لگائے ماہین نے گھر میں داخل ہوتے ہی بلند آواز میں سلام کیا تھا۔ ماں نے باورچی خانے سے ہی جواب دیا تھا۔

" ماہی بیٹا جلدی سے یونیفارم تبدیل کر کے آؤ، ناشتہ تیار ہے، سکول سے دیر نا ہو جائے "

وہ کمرے میں آئی تو وہاں گزری رات آخری سانسیں لے رہی تھی۔ اے سی کی مدھر سی ٹھنڈک اور میٹھے سے اندھیرے میں اسکی بڑی بہن نیند کی دبیز چادر اوڑھے مزے میں تھی۔ جانے کس دیس کی سیر کو نکلی تھی کہ بند آنکھوں سے مسکرا رہی تھی۔

" باجی---- باجی "

وہ اسکے کان پہ چلائی

" اٹھیں اٹھیں جلدی کریں زلزلہ آگیا ہے۔ بڑے تایا کا پورشن گر گیا ہے، بڑے تایا اور تائی اپنے تینوں بیٹوں کے ساتھ زمین بوس ہو گئے ہیں۔ اٹھیں ناں"

اس نے بہن کو جھنجوڑا

" فٹے منہ "

بڑی بہن کا بڑا سا جھانپڑ اسکے پڑا تھا۔

" نکل جا، دفع ہو۔۔۔۔۔ "

لیکن وہ زلزلہ ؟ چھوٹے تایا کا گھر بھی بس گرنے والا ہے۔ مہر باجی تو بچ جائیں " گی کہ اس وقت وہ باہر ہوتی ہیں پر چھوٹے تایا اور تائی تو گئے۔۔۔ اٹھیں باجی۔۔۔

" اٹھیں۔۔۔۔ اب ہماری باری ہے

وہ ہنستی ہوئی یونیفارم نکالنے لگی۔

" منحوس نے ساری نیند خراب کردی "

"کالج نہیں جانا آپ نے ؟؟؟؟ "

" بھاڑ میں گیا کالج۔۔۔۔۔ "

وہ منہ بسورتی، سر تک لحاف اوڑھ کر پھر سے لیٹ گئی تھی۔ وہ کندھے اچکاتی کمرے سے نکل آئی۔

کتنی نیستی ہیں مریم باجی۔ توبہ اور ایک مہر آپی ہیں۔۔۔ انکا تو کوئی مقابلہ ہی "

" نہیں ہے ان سے۔۔۔ ہونہہ سوئی رہیں گھوڑے بیچ کر میں تو چلی۔۔۔۔

" اف۔۔۔ کتنی گرمی ہے توبہ "

امی باورچی خانے سے پسینہ پونچھتی نکل رہی تھیں۔

" ہر اس شے کی برائی سے جو اس نے پیدا کی ہے "

" ہیپی برتھ ڈے ابرار "

اس نے وہ میسج "مریم "کے نام سے محفوظ شدہ نمبر پہ سینڈ کردیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں جواب آگیا تھا

" خالی خولی وِش نہیں چاہیئے مجھے جناب، میرا گفٹ کہاں ہے ؟؟؟؟ "

اسکے چہرے پہ ایک مسکراہٹ تیر گئی تھی۔

" کتنے مِین ہو تم یار۔ ایک تو میں نے تمہیں آدھی رات کو وش کیا اوپر سے شکریہ کہنے کی بجائے گفٹ مانگ رہے ہو"

" گفٹ لازمی ہوتا ہے ناں میری جان"

" وہ بعد میں آتا ہے، پہلے ٹریٹ آتی ہے۔ کیک کھلاؤ اور گفٹ لے لو"

اندھیرے میں، سر تک لحاف اوڑھے، فون کی روشنی مدھم ترین کیئے وہ ٹائپنگ میں مصروف تھی۔

" اس میں کیا ہے، تم ملنے والی بنو، جو تم کہو گی وہی ٹریٹ دوں گا، جہاں تم کہو گی، وہیں----"

اسکی دھڑکنیں بے تال ہوئی تھیں۔

" تو بتاؤ کہاں ملیں ؟؟؟ "

" کل مشکل ہے یار "

مہر جان ایسے مت کرو۔ میری برتھ ڈے ہے یار، تم نے وعدہ کیا تھا ملنے کا، یار "

" میں نے فلیٹ کی چابی بھی لے لی ہے چلچو سے۔۔۔۔

کل نہیں ابرار۔ تمہیں بتایا تھا کہ نانی کی طبیعت خراب ہے، امی مجھے لازمی لیکر "

" جائیں گی

جواباً افسردہ ایموجی آیا تھا۔

" تم میرا دن مجھ سے چھین رہی ہو "

صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے اس نے فون دیکھا تھا۔ کوئی میسج نہیں تھا۔

" ابھی تک خفا ہو ابرار ؟ "

کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ وہ کالج جانے کے لیئے تیار ہونے لگی تھی۔ الماری میں ،رکھا وہ ڈبہ اس نے احتیاط سے نکالا تھا۔ خوبصورت گفٹ پیک۔ ایک برتھ ڈے کارڈ ساتھ میں پھول۔

" for my love with my love.... love you Ibrar "

" امی میں جا رہی ہوں "

وہ اپنے پورشن سے نکلی تو ماہین سکول بس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ وہ سکول بس میں جاتی تھی، مریم کے لیئے امی نے رکشہ لگوایا ہوا تھا۔ مہر سیدھی اسکی طرف ہی آئی تھی۔

" میرا ایک کام کردو پلیز میری بہن ہو ناں۔۔۔۔ "

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور بیگ میں رکھا وہ شاپر نکالا جس میں وہ تحفہ تھا۔ جلدی سے وہ اس نے ماہین کے بیگ میں منتقل کیا تھا۔

" یہ ابرار کو دے دینا، یاد سے "

" اس میں کیا ہے ؟؟؟؟ "

میرا کی آنکھیں چمک اٹھیں

" اسکا آج برتھ ڈے ہے "

وہ مسکرا دی۔ تبھی چھوٹے تایا کی بائیک کی ہارن سنائی دی تھی۔ مہر جلدی سے ڈوپٹہ ی درست کرتی باہر کی طرف دوڑی

"آئی ابو۔۔۔۔ "

" اور اندھیرے کے شر سے جب وہ پھیلنے لگے "

ہر طرف اندھیرا تھا۔ دم گھوٹ کسیلا اندھیرا۔ ایسا کڑوا کہ سانس کی روانی میں رکاوٹ بن رہا تھا۔ ایسے میں اس نے وہ تیز بو محسوس کی تھی۔ ایسی سڑاند کہ دماغ سڑنے لگا تھا۔ وہ بُو بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے اس سے بچنے کے لیئے ناک پہ ہاتھ رکھا تو محسوس کیا کہ اسکی تو ناک ہی نہیں تھی۔ دہشت کے مارے وہ کانپ اٹھا تھا۔ اس نے مدد کے لیئے چلانا چاہا لیکن بے سود۔ آواز اسکے حلق میں ہی اٹک کر رہ گئی تھی۔ اس نے اپنے چہرے پہ انگلیوں کے لمس سے محسوس کیا۔ اسکے ہونٹ

آپس میں پیوست ہو کر سی دیئے گئے تھے۔ اب وہ تھر تھر کانپنے لگا تھا۔ اس اندھیرے میں اس نے کسی جانور کے غرانے کی آواز سنی تھی۔ وہ اندھیرے میں ایک طرف کو بھاگنے لگا۔ بھاگتا رہا، سانس پھولنے لگی، بھاگتا رہا، دم گھٹنے لگا، بھاگتا رہا یہاں تک کہ گر پڑا۔ اسکا پیچھا کرتی مخلوق اس پہ جھپٹ پڑی تھی۔

" امی---- وہ مجھے مار دے گی--- مجھے بچالیں--- بھائی---- کوئی ہے ----- "

" وہ مجھے کاٹ رہی ہے---- میرے پیر---- میرے ہاتھ---- امی-----

وہ مسلسل چلاتے ہوئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ وہ دونوں اسے بمشکل سنبھالے ہوئے تھے۔ اسے جب بھی دورہ پڑتا تھا وہ ایسے ہی آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔

" بھائی--- میری مدد کرو---- وہ مجھے مار دے گی---- مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے---- وہ یہیں ہے--- وہ یہیں ہے---- دیکھیں کتنی گندی بدبو----- امی----"

وہ ماں بے بس تھی۔ بس آنسوؤں پہ ضبط کیئے، اسکے سرہانے بیٹھی اسکے بال سہلاتی رہی تھی۔

" میرا بچہ--- بس میں ہوں تیرے پاس--- بس ---- میرا بچہ---- "

تقریباً آدھے گھنٹے اسکی یہی حالت رہی تھی یہاں تک کہ وہ بے دم ہو کر بستر پہ گر گیا تھا۔ ایسے جاڑے میں بھی پسینے سے بھیگا ہوا، لمبے لمبے سانس لیتا، ہوں جیسے اسے کسی نے رسیوں سے باندھ کر مارا ہو۔

ایسے ہی ہو رہا تھا۔ پچھلے کئی ہفتوں سے ----

" اور گنڈوں پہ پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے "

اس نے چادر کی بکل ماری اور یوں اسکا چہرہ بہت حد تک چھپ گیا گیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اپنی منزل کی طرف جا رہی تھی۔

وہ کھنڈر سی عمارت تھی۔ کہنے والے کہتے تھے کہ گزرے زمانوں میں وہاں ایک مندر ہوا کرتا تھا۔ اب بس بس باقیات بچی تھیں۔ متنازعہ زمین ہونے کی وجہ سے کوئی شاز و نادر ہی ادھر کا رخ کیا کرتا تھا۔

اور اب وہ وہاں تھی۔

اس پرانے سے برگد کے پیڑ کے پاس جسکی کی لمبی لمبی جٹائیں زمین کو چھو رہی تھیں۔ وہ وہیں ایک طرف بنے چبوترے پہ بیٹھ گئی اور وہ سیاہ دھاگہ نکالا تھا۔ آنکھیں موند کر، ہولے ہولے کچھ بولتے ہوئے وہ اس دھاگے پہ گرہیں لگاتی پھونک مارتی تھی اور پھر سے وہی کرنے لگتی۔

وقت بھی برگد کے اس پیڑ کی طرح یہاں وہاں اپنے ان دیکھے ہاتھ پھیلاتا رہا تھا۔ شام کا آخری مسافر بھی ہار گیا اور سورج کے ساتھ ہی دفن ہو گیا۔ اس نے اس دھاگے کو آخری گرہ لگائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ برگد کی اس جھولتی شاخ سے وہ دھاگہ باندھ کر وہ اب اسکے سامنے جھکی اپنا منتر دہرا رہی تھی۔

اور حسد کرنیوالے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے۔۔۔۔۔ "

(سورت الفلق - مفہوم)

مہر خاموشی سے بیٹھی ماں کو دیکھ رہی تھی جو کہ نانی کے پاس بیڈ پہ بیٹھی انکے پیر دبانے میں مصروف تھیں۔ وہ دونوں ماں بیٹیاں دوپہر میں ہی آگئی تھیں۔ نانی کا بس آخری وقت تھا۔ دنیا جہان کی ساری بیماریاں ان سے چپک گئی تھیں۔ ایک کا علاج ہوتا تو دوسری سر اٹھانے لگتی تھی۔

" سو گئیں کیا ؟؟؟؟؟ اماں ؟؟؟؟ "

انکے لب پھر پھڑا کر رہ گئے۔ امی انکے نزدیک ہوئی تھیں۔

"شش۔۔۔۔ شہناز۔۔۔۔ "

انہوں نے ماں کو یوں دیکھا جیسے وہ انہیں کچا چبا جائیں گی۔

بس یہی وجہ ہے، یہی وجہ ہے اماں جو میں آتی نہیں ہوں یہاں۔ ساری زندگی "
اس عورت کو تم نے مجھ پہ فوقیت دی اور اب اس آخری وقت میں بھی اسی کا
"نام----

وہ نفرت سے کہہ رہی تھیں۔

مر جائے شہناز اللہ کرے، کیڑے پڑیں حرامزادی کو۔ میرا حق کھا گئی اور میری "
"ماں، مجھ سے زیادہ آج بھی اسکی سگی ہے

انہوں نے زمین پہ تھوک دیا

دیکھو، غور سے یہ میں ہوں، سونیا ہوں اماں، تمہیں یاد ہو تو تمہاری کوکھ سے جنم "
میں نے ہی لیا تھا۔ اس حرافہ نے بس دودھ پیا تمہارا۔ پھر وہ سگی کیسے ہو گئی
"؟؟؟؟ کیسے مجھ سے زیادہ ؟؟؟؟؟

"امی بس کریں "

مہر نے بیزاری سے ماں کو دیکھا

یہ بھی تو کبھی بس کیا کریں۔ یہ بھی تو کبھی مجھے اپنی اولاد سمجھیں۔ ہمیشہ اس "
، عورت کا نام، اسکے گُن، اسکی صفتیں۔ بچپن سے آج تک۔ ہمیشہ میرا حق اسے دیا
" ہمیشہ۔ تو دیکھو اسکے آج بھی کیسے ٹھاٹھ ہیں

" چلیں امی بس جانے دیں، دفع کریں "

وہ ماں کو دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئیں

اب نہیں آؤں گی اماں، بس بہت ہوا۔ تم مر گئیں تو جنازے پہ بھی نہیں "

"آؤں گی، تمہاری اس لاڈلی کو بھیج دوں گی۔ بس جا رہی ہوں

وہ چپل گھسیٹتی بولتی جا رہی تھیں۔ مہر بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

واپسی کا سارا راستہ بھی وہ بکتی جھکتی رہی تھیں۔

" جانے کیا نظر آتا ہے اس میں انہیں۔ "

"کیوں کھپ رہی ہیں امی، کیوں چڑتی ہی۔ سونیا چاچی سے اتنا ؟؟؟ آپکی بلا سے "

واپسی پہ رکشے میں بیٹھے ہوئے مہر نے ماں سے کہا تھا۔

ہونہہ چڑتی ہے میری جوتی۔ اس سے اور اسکی بیٹیوں سے۔ ہے کیا ان میں "
؟؟؟؟ نرا نخرہ ہی نخرہ۔ اپنے مرحوم میاں کے پیسے پہ اچھلتی ہے سونیا۔۔۔۔ اپنا
" تو ایک دھیلا نہیں ہے اسکا۔۔۔۔

مہر نے بھی گردن جھٹکی

یہ تو صحیح کہہ رہی ہیں آپ۔ اس مریم کے تو مزاج ہی نہیں ملتے۔ نا شکل نا "
" صورت۔ کالج میں بھی یہی حال ہے، میں تو اسے منہ ہی نہیں لگاتی امی۔
اچھا کرتی ہو۔ اس چھوٹی کو بھی بلا ضرورت نا بلایا کرو۔ ایویں ہمیں کیا لینا ان سے۔
" جی امی "

اس نے آہستگی سے کہا اور بیگ سے موبائل نکالا۔ وہاں کئی پیغامات جمع تھے۔

گفٹ کے لیئے شکریہ میری جان۔ اب میری باری ہے۔ کل کو تمہیں مجھ سے
" ضرور ملنا ہوگا۔ کوئی بہانہ نہیں۔۔۔

دوسرا باب

(خاندان)

مغرب قضا ہوئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ شام رات میں ڈھل چکی تھی اور اسکی سیاہیاں روشنیوں میں گھلنے لگی تھیں۔ بڑے تایا ابو کے پورشن میں لائٹیں روشن تھیں۔ برآمدے میں دسترخوان بچھا تھا جس پر تمام اہلِ خانہ جمع تھے۔

" ابو جی آپ سے ایک بات کرنی تھی "

بہزاد نے باپ سے کہا تھا۔

" گھر کے لیئے جگہ دیکھ لی ہے میں نے۔ ایڈوانس بھی پے کردیا ہے۔ اگر آپ۔۔۔۔"

میں اس ٹاپک پہ پہلے کتنی بار بات کر چکا ہوں بہزاد ؟؟؟ کتنی دفعہ میں تم سے "
"کہہ چکا ہوں کہ میں یہ گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا ؟؟؟؟؟

لیکن ابو آخر کب تک ؟؟؟ دو کمروں کے اس چھوٹے سے پورشن میں ہم تینوں "
بھائی کیسے ایڈجسٹ کریں گے ؟؟؟؟ کل کلاں کو بچے ہوں گے، انکی بھی شادیاں
" ہوں گی، کیسے ہوگا ؟؟؟؟؟؟

انہوں نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا۔ وہ کھانا چھوڑ چکے تھے۔

ہم بھی تین ہی بھائی تھے بیٹا، ہمارے باپ کے پاس بھی ایسا ہی کچوک گھر "
تھا۔ اسی میں شادیاں ہوگئیں، اسی میں بچے بھی ہوئے اور اب جوان ہو گئے ہیں
" تو انکا یہاں دم گھٹنے لگا ہے

" ابو۔۔۔۔۔ "

" دیکھو بہزاد "

انہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا تھا۔

میں یہ گھر نہیں چھوڑوں گا، اسے چھوڑنے کا مطلب اپنے بھائیوں کو چھوڑنا اور " یہ میں نہیں کر سکتا۔ تم اپنے بھائیوں کا ماس اپنے ناخنوں سے جدا کرسکتے ہو تو جاؤ چلے جاؤ، اپنی بیوی کو بھی لے جاؤ، لیکن یہ گھر میرا ہے اور میں اپنی آخری " سانس بھی یہیں لوں گا ۔ بس

" اب کیسی طبعیت ہے اماں جی کی ؟؟؟ "

سونیا سلائی مشین لیئے بیٹھی تھیں۔ مہر کی قمیض سلائی کر رہی تھیں جو کہ کل اس نے اپنی دوست کے گھر پارٹی میں پہن کر جانی تھی۔

" پتہ نہیں "

انہوں نے بیزاری سے کہا تو افضل صاحب نے چونک کر انہیں دیکھا

" پتہ نہیں ؟؟؟ یہ کیسا جواب ہوا ؟؟؟؟ "

" پتہ نہیں مطلب پتہ نہیں۔ "

وہ سلائی ہونے والی قمیض پہ ناپ رکھ کر فٹنگ کے نشان لگانے لگی تھیں۔

"کرنے کیا گئی تھیں پھر ؟؟؟؟ "

گئی تو نیک ارادے سے ہی تھی۔ ماں ہیں میری، انکی تیمار داری ، بیمار پرسی " فرض ہے میرا۔ پر آگے انہیں اپنے فرض ہی یاد نہیں۔ چلو مان لیا اب تو بڑھاپا ہے، سٹھیا گئی ہیں، جب ہوش الحواس میں تھیں تب کونسا پھول برساتی تھیں " مجھ پہ----

انہوں نے گہری سانس لی تھی۔

" پھر شہناز کا ہی ذکر ؟؟؟؟؟ "

" اور کیا--- وہی تو سگی اولاد ہے۔ میں تو سوتیلی ہوں "

انہوں نے کن انکھیوں سے بیوی کو دیکھا اور سرسری لہجے میں پوچھا

"کاغذات ملے ؟؟؟؟؟ "

سوئی میں دھاگہ ڈالتی ہوئی سونیا نے سر اٹھا کر شوہر کو دیکھا۔ وہ انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔

" دیکھو سونیا مجھے غلط مت سمجھنا لیکن یہ ضروری ہے۔ کوئی بھی ان سے گھر کے کاغذ پہ الٹے سیدھے انگوٹھے لگوا لے گا تب کیا کریں گے ؟ اور کسی کی چھوڑو شہناز ہی یہ کر ڈالے تو ؟؟؟؟؟؟؟ "

مہر وہیں چارپائی پہ بیٹھی تھی۔ کتابیں پھیلائے بظاہر پڑھائی میں مصروف۔

" شہناز چاچی ایسا کیوں کریں گی ؟؟؟ اتنی تو امیر ہیں پہلے سے ہی ؟؟؟؟ "

باپ نے اسے بغور دیکھا

" اور کی طمع زیادہ اسے ہی کاٹتی ہے جسکے پاس پہلے سے ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ جسے عیش کی لت پڑی ہو تو وہ ہی اسکے حصول کے لیئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔

وہ بیوی کی طرف مڑے

" کاغذات ڈھونڈو اس سے پہلے کہ وہ کسی اور کے ہاتھ لگ جائیں "

وہ دونوں بہنیں ماں کے ساتھ ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ یہ انکا مشترکہ ڈرامہ دیکھنے کا وقت ہوتا تھا۔

بیرونی دروازے پہ دستک ہوئی تھی تو شہناز نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

" بھائی صاحب ہوں گے، مریم بیٹا دیکھنا زرا "

تھوڑی دیر میں وہ واپس اندر آئی تو ساتھ بڑے تایا بھی تھے۔ شہناز نے جلدی سے سر پہ دوپٹہ درست کیا اور انکو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"آئیں بیٹھیں بھائی صاحب "

" نہیں بیٹا، بس یہ تمہاری امانت "

انہوں نے وہ بیگ انکی طرف بڑھایا تھا۔

بھائی صاحب میں نے آپ سے کہا تو ہے آپ یہ خود ہی دیکھ لیا کریں سب "

"کچھ۔ میں اب اتنا کیش گھر میں تو نہیں رکھوں گی ناں بچیوں کے ساتھ

وہ تو میں بنک میں جمع کروا دوں گا لیکن تمہارے علم میں بھی ہونا چاہیئے۔ "

" فیکٹری کے معاملات کی سمجھ نہیں لیکن آمدان کی پوری خبر ہونی چاہیئے

" بیٹھیں ناں "

انہوں نے اصرار کیا تھا۔ اتنے میں مریم انکے لیئے ملک شیک لے آئی تھی۔

" ہیر پھیر ہوتے دیر تو نہیں لگتی ناں شہناز بیٹا "

انہوں نے بغور انہیں دیکھا

بھائی صاحب ارشد نے جاتے ہوئے بس یہی ایک نصیحت کی تھی۔ مجھے پتہ "

ہے ساری دنیا میں بس آپ لوگ ہیں جو مجھ سے مخلص ہیں۔ آپ سب ہی

" میرے لیئے کُل ہیں، میرا خاندان ہیں۔ مجھے بھروسہ ہے آپ پہ بھائی صاحب

" جیتی رہو "

انہوں نے انکے سر پہ ہاتھ رکھا

میرے بھائی کی آخری نشانیاں ہو تم لوگ۔۔۔ اللہ خوش رکھے تمہیں اور دونوں "
" بچیوں کو۔۔۔۔

سب کچھ ارشد نے ہی تو کھڑا کیا تھا۔ یہ فیکٹری تو دیوالیہ ہو جاتی اگر وہ باہر سے "
" نا آتا اور بھائیوں کے ساتھ کھڑا نا ہوتا۔

تائی امی زیاد کے سر میں تیل کی مالش کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

اسکا تو کاروبار بھی وہاں باہر بھی سیٹ تھا۔ روپے کی ریل پیل، کھلا خرچہ، اچھا "
کپڑا جوتا، بہترین کھانا پینا۔ لیکن اس نے بھائیوں کی پرواہ کی۔ کون کرتا ہے آج
"؟؟؟؟؟؟؟؟

وہ زرا رکیں

تمہارے بھائی کو ہے تمہاری پرواہ ؟؟؟ وہ چاہتا ہے کل کے ہوتے آج اس گھر "
کے ٹکڑے کر دیئے جائیں، تمہیں بانٹ دیں گھر تاکہ بیچ باچ جہاں راہ دکھے ادھر
" بھاگ جاؤ تم سب۔۔۔۔

اس نے برا سا منہ بنایا

" امی یار ایک کی بات میں سب کو نا گھسیٹا کریں۔ "

وہ مالش کرتی رہیں

اب وہ بیوی کی پڑھائی پٹیوں میں آکر گھر سے جانے کی بات کر رہے ہیں تو میرا "
" اور شہزاد کا کیا قصور ؟؟

انہوں نے سر جھٹک دیا

اچھا چھوڑو یہ سب، تمہارے ابو وہ بیگ چھوڑ گئے ہیں، دن میں کسی وقت بنک "
" چلے جانا اور شہناز کے اکاؤنٹ میں جمع کروا آنا۔۔۔۔

کچھ دیر بعد وہ بولا تھا۔

ویسے انکے مزے ہیں ناں امی، نا کچھ کرنا نا کرانا اور بوریاں بھر بھر پیسے مل "
" جاتے ہیں

" شرم کرو، یہ سارا اسکے میاں کا ہی تو ہے "

اوہ ہاں--- وہ مر کر بھی ہمارے آقا ہیں اور ہم غلام۔ سوری میں بھول گیا تھا "
"

ماں نے تیل بھرے ہاتھ سے دھموکا ڑوکا تھا

" امی یار---- "

وہ تڑپ اٹھا۔

" چل دفع ہو جا---- "

مہر سنگھار میز کے سامنے کھڑی تیار ہو رہی تھی۔ نیا سلائی شدہ گلابی جوڑا جسکے ساتھ اس نے اعجنٹ جوتا اور جیولری خریدی تھی۔ ہم رنگ ہلکا سا میک اپ اور وہ تیار تھی۔

" مہر جلدی آنا بیٹا۔ تمہارے ابو پھر غصہ کرتے ہیں "

" وہ کب غصہ نہیں کرتے "

وہ شال اوڑھنے لگی تھی۔

کھانے میں نمک تیل زیادہ ہونے سے لیکر موسم کے تیور بدلنے تک ہر شے پہ "

" غصہ آتا ہے انہیں تو۔۔۔

" پھر بھی۔۔۔ باپ ہیں تمہارے۔ "

" اچھا امی "

اس نے بیزاری سے ماں کو دیکھا

"آ جاؤں گی جلدی۔ "

اور ایک بات بتا، یہ اس دُم چھلی کو ساتھ کیوں لگایا تو نے ؟؟؟؟ وہ ماہین کی "

" بچی کیوں جا رہی تیرے ساتھ ؟؟؟؟؟؟

" اور اکیلی جاتی امی ؟؟؟؟ "

" میں چھوڑ آتی تجھے۔ "

جانے دیں امی، پھر رات گئے مجھ سے ہی ٹانگیں دبوانی تھیں آپ نے۔ ماہین "

" اچھی ہے، ماں کی طرح چلاکو نہیں ہے۔

وہ شال اوڑھنے کے بعد خود جو تنقیدی نظروں سے آئینے میں دیکھ رہی تھی۔

"آپ فکر مت کریں۔ میں جلدی آ جاؤں گی "

" مریم--- بچے کہاں ہو ؟؟؟؟ "

وہ کمرے میں بستر پہ لیٹی ناول پڑھنے میں مگن تھی جب شہناز اسے آوازیں دیتی ہوئیں اندر آئی تھیں۔ وہ جلدی سے ڈائجسٹ تکیئے کے نیچے چھپا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"کیا کر رہی تھیں ؟؟؟؟ "

"کچھ بھی نہیں "

وہ ماں تھیں جو کہ بند آنکھوں سے بھی اولاد کی ایک ایک حرکت دیکھ لیتی ہے۔

تکیے کے نیچے سے جھانکتا ڈائجسٹ کا کونا انکی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہا تھا۔

"کالج کا بھی پڑھ لیا کرو کبھی۔ ہر وقت یہی جھوٹی سچی کہانیاں --- "

" پڑھتی ہوں امی---- "

انہوں نے اسے بغور دیکھا

" اچھا۔ میں یہ کہہ رہی تھی کک اکیڈمی سے چھٹی کر لینا شام کو "

"کیوں ؟ "

اس نے اچھنبے سے ماں کو دیکھا

"کچھ لوگ آ رہے ہیں تمہیں دیکھنے کے لیئے "

" امی یار "

اس نے بیزاری سے ماں کو دیکھا۔

" آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہیں۔ ابھی سے یہ رشتے اور شادیوں کا چکر۔ میری ہم عمر ہے ناں مہر بھی، اسے تو پرواہ بھی نہیں "

انہوں نے رسان سے اسکا ہاتھ تھاما

" اسکی ماں بھی زندہ ہے اور اسکے سر پہ باپ کا بھی ہاتھ ہے۔ مریم میری جان ارشد کی موت کے بعد سے مجھے بہت ڈر لگنے لگا ہے۔ مجھے میرے فریضے ادا کرنے دو بیٹا "

" لیکن امی میری پڑھائی۔۔۔۔ "

" اس سے کون روک رہا ؟ پڑھتی رہو جیسے مرضی۔ بس ساتھ ساتھ میں کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر رکھنا چاہتی ہوں۔ سالوں لگ جاتے ہیں اس میں بھی۔ میں بس یہ چاہتی ہوں کہ کسی اچھی جگہ تمہاری نسبت طے ہو جائے بس۔۔۔۔۔۔ "

وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔

ابرار نے سر تا پا اسے سراہتی نظروں سے دیکھا تھا اور آنکھ دبا کر ہونٹوں کو ستائشی انداز میں سکوڑا تھا۔ مہر نے اسے خفت بھری نظروں سے دیکھا اور پھر پاس کھڑی ماہین کی طرف اشارہ کیا۔

" بچی ہے کچھ تو لحاظ کرو "

" بچی کا ہی لحاظ ہے ورنہ تو۔۔۔۔۔ "

وہ شرارتی انداز سے مسکرایا اور ماہین کی طرف مڑا

" تمہارے فیورٹ ہیری پورٹر ڈاؤنلوڈ کر دیئے ہیں میں نے لیپ ٹاپ میں۔ تم یوں کیوں نہیں کرتی ہو کہ یہاں آرام سے صوفے پہ بیٹھ کر مووی دیکھو تب تک میں تمہاری آپی سے کچھ باتیں کر لوں گا "

وہ مسکرا دی۔

کچھ دیر بعد وہ کمرے میں جا چکے تھے۔

ابرار کے بقول وہ اسکے دوست کا فلیٹ تھا۔ دوسرا سا دو کمروں پہ مشتمل، ایک ننھا سا کچن اور زرا سا لاؤنج۔

"کتنا تڑپاتی ہو یار"

یہ آخری سرگوشی تھی جو ماہین نے سنی تھی جب وہ اسکی کمر میں ہاتھ ڈالے کمرے کی طرف گیا تھا۔

وہ مہمان ہو کر جا چکے تھے۔

شہناز کو تو رشتہ اچھا لگا تھا۔ چھوٹی سی فیملی تھی۔ دو بہن بھائی، ماں باپ۔ اپنا گھر تھا، لڑکے کا اپنا کاروبار تھا۔ اچھی سی پڑھی لکھی فیملی تھی۔

" اللہ کرے بس تمہارا ہو جائے مریم "

رات میں وہ بڑے تایا کی طرف گئی تھیں۔ اس وقت وہ فیکٹری سے واپس آ چکے ہوتے تھے تو گھر پہ ہی ملتے تھے۔

" مریم کا رشتہ، ابھی سے۔۔۔۔ "

تائی امی نے حیرت سے دیکھا۔ وہ ان کو کمرے میں ہی لے آئی تھیں۔

" بھابھی ابھی سے تلاش شروع کروں گی تو وقت پہ اچھا رشتہ ملے گا "

" یہ تو ہے، بچیوں کے معاملے میں تو بڑی چھان بین کروانی پڑتی ہے "

" اس لیئے تو آئی یوں بھائی صاحب "

انہوں نے رسان سے کہا تھا

اب ہمارے لیئے تو آپ ہی بڑے ہی اور اس گھر کے مرد بھی آپ ہی ہیں۔ "

میں نے دنیا دیکھی ہے اور نا ہی مجھے اسکا پتہ۔ میرے لیئے تو آنکھیں ناک جان بس

"آپ ہی ہیں۔ لڑکے کی چھان بین کروانی ہوگی، اور جو ضروری معلومات ہوتی ہیں

" تم فکر مت کرو شہناز "

وہ فوراً بولے تھے

وہ میری بیٹی ہے، پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں کل ہی کرتا "
" ہوں یہ کام۔

دستک کی آواز پہ تائی امی گھٹنوں پہ ہاتھ رکھتی اٹھی تھیں اور بیرونی دروازے تک آئی تھیں۔

"کون ہے ؟؟؟؟ "

" میں ہوں ماں جی مرسلین---- "

" اوہ اچھا اچھا---- "

انہوں نے دروازہ کھول دیا۔

وہ انتیس تیس سالہ، اچھے خاصے قد کاٹھ اور گندمی سی رنگت کے ساتھ قدرے تیکھے سے نقوش والا اچھا جاذب نظر شخص تھا۔

" میں زیاد سے ملنے آیا تھا ماں جی، وہ گھر پہ ہے ؟؟؟ "

"،وہ تو بیٹا ابھی تھوڑی دیر پہلے نکلا ہے کچھ کام کا کہہ کر۔۔۔۔ تم آؤ ناں بیٹھو
"کچھ چائے ٹھنڈا۔

"نہیں نہیں ماں جی اٹس اوکے "

اس نے شائستگی سے کہا تھا۔

"آ بھی جاؤ، اتنی گرمی ہے، پانی تو پی ہی لو کیا پتہ تب تک تمہارا دوست بھی آ
"جائے

انکے اصرار پہ وہ اندر آیا تھا۔

"اور تمہاری بیوی کیسی ہے ؟؟؟؟ کیا نام تھا بھلا سا۔۔۔ "

"جی ماں جی رابعہ بھی بالکل ٹھیک ہے "

کچھ دیر بعد تائی امی اسکے لیئے ٹرے میں کولڈ ڈرنک کے گلاس رکھے لائی تھیں۔

"زیاد بتا رہا تھا تمہاری پریشانی کے بارے میں۔۔۔۔ "

انہوں نے ہولے سے کہا تھا

" بس ماں جی دعا کیجیئے گا "

ماں کا تو کام ہی دعائیں کرنا ہے بیٹا۔ اچھا گود ہری کردے تم میاں بی بی کی "

" بھی اتنے سال ہونے کو آئے۔ اللہ تم کو بھی نیک نرینہ اولاد عطا کرے

انہوں نے صدق دل سے دعا دی تھی۔

بڑے تایا اور تائی امی آئے ہوئے تھے۔

مریم کو چائے کا انتظام کرنے کا کہہ کر امی نے کمرے سے نکال دیا تھا۔ اب اندر

وہ تین لوگ ہی تھے۔ ماہین دروازے سے لگی کن سوئیاں لے رہی تھی۔

ایک نمبر کے فراڈ ہیں۔ اپنا کاروبار ہونہہ۔ ایک دوکان ہے وہ بھی کرائے کی۔ "

پرچون ڈال رکھا ہے۔ دو بار تو پولیس لے جا چکی پرچون کی آڑ میں دو نمبر چیزیں بیچتا

" ہے۔ کہاں سے مل گئے تمہیں ایسے جعلساز لوگ ؟؟؟؟

شہناز پریشانی سے سر پکڑے بیٹھی تھیں

بہزاد کے جاننے والے کا دوست ہے۔ کہتا ابو اس نے کانوں کو ہاتھ لگا لیا نام "

" سنتے ہی۔ کیرا ہے بیٹی کو گلا گھونٹ کر مار دینا پر ادھر رشتہ مت کرنا

مریم چائے لیکر آئی تو انکی آنکھوں میں آنسو اور چہرہ اترا ہوا تھا۔

تم کیوں پریشان ہو رہی ہو شہناز۔ عمر ہی کیا ہے ابھی اسکی، ابھی سے ہلکان "

" مت ہو اس سب کے لیئے۔۔۔

تائی امی نے بہانے سے مریم کو پھر سے اٹھا دیا۔ وہ گئی تو وہ شہناز کے نزدیک ہوئی تھیں۔

" میں کچھ اور سوچ رہی تھی شہناز۔ "

وہ رازدارانہ انداز میں کہہ رہی تھیں۔

اپنے اپنے ہی ہوتے ہیں۔ اپنا مارتا ہے تو چھاؤں میں ڈالتا ہے۔ میری بات "

دھیان سے سنو، بھلے حیثیت میں ہم تم سے نیچے ہیں، روپیہ پیسہ نہیں، جائیداد

کے نام پہ بھی بس یہی ایک گھر ہے لیکن تمہارے اپنے ہیں، تمہارے دیکھے بھالے۔۔۔۔۔"

شہناز بغور انہیں دیکھ رہی تھیں۔

زیاد بہت محنت کر رہا ہے۔ اس بار پرامید بھی بہت ہے۔ کہتا ہے جاب مل جائے گئی امی۔"

انہوں نے رسان سے انکا ہاتھ تھاما

"اپنی مریم مجھے دیدو، میں اسے زیاد کی دلہن بناؤں گی۔"

وہ دم بخود رہ گئی تھیں۔

"زیاد بھائی ؟؟؟؟؟؟"

ماہین نے حیرانی سے ماں کو دیکھا۔ جواباً وہ دھیمے سے مسکرائیں اور اثبات میں سر ہلا کر پاس بیٹھی مریم کو دیکھا جو انہیں دیکھ کر نظریں چرا گئی تھی۔

گھر کا لڑکا ہے۔ دیکھا بھالا، تمہارا کزن ہے۔ ایماندار، پڑھا لکھا بھی ہے۔ اللہ کرے "
جاب بھی ہو جائے گی۔ اور سب سے بڑھ کر بھائی صاحب کا گھر۔۔۔۔ مریم بیٹا
" اور کیا چاہیئے ہوتا ہے ؟؟؟؟

وہ رسان سے کہہ رہی تھیں۔

" یہ روپیہ پیسہ، سٹیٹس، بڑے گھر یہ سب آنی جانی چیزیں ہیں بیٹا۔ آج ہیں، کل نہیں، آج زیادہ کل کم۔ اس سے فرق نہیں پڑتا۔ اور ویسے بھی یہ سب کچھ جو
" تمہارے باپ نے بنایا ہے تم دونوں بہنوں کا ہی تو ہے۔

وہ خاموش رہی تھی۔

" تم کیا کہتی ہو ؟؟؟؟ "

" مجھے نہیں پتہ امی، جیسے آپ کو ٹھیک لگے "

" نہیں، جیسے تم کہو گی "

وہ فوراً بولی تھیں۔

کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ اچھے سے سوچ لو، وقت لے لو اور فیصلہ کر کے "
" مجھے بتا دینا۔ تمہیں انکار کرنے کا حق ہے بیٹا
اس نے سر ہلا دیا تھا۔ ماہین ابھی تک اسی میں اٹکی ہوئی تھی۔
زیاد بھائی ؟؟؟؟ وہ تو بہت روڈ سے نہیں ہیں ؟؟؟؟ کافی سخت لگتے ہیں "
مجھے---- ویسے اچھے بھی ہیں---- اس دن مجھے سکول سے واپسی پہ لے کر
"آئے تھے جب بس خراب تھی۔ راستے میں آئس کریم بھی کھلائی تھی-----

---

اس کمرے میں پھیلے اندھیرے سے موم بتی کی زرد لو لڑنے میں مصروف تھی۔ دیوار پہ دور تک پھیلے سائے رقص کر رہے تھے۔ اس ناکافی روشنی میں وہ چہرہ غیر ،واضح تھا۔ کمرے کے بیچوں بیچ، ان لکیروں سے کھینچے گئے نشانات کے درمیان پرانی ہڈیوں سے بنے دائرے میں وہ لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جس نے سیاہ چوغہ پہن رکھا تھا۔ سر جھکائے وہ اپنے کام میں مصروف تھی۔

وہ چھوٹا سا روئی بھر کر بنایا کپڑے کا وجود جسکے گرد وہ پٹیاں لپیٹتی جا رہی تھی اور زیر لب کچھ منتر پڑھتی جا رہی تھی۔ اسکے پاس کٹوری میں تازہ خون رکھا تھا جس میں انگلیاں ڈبو کر اس نے اس بے جان گڑیا کے وجود پہ ایک نام لکھا تھا۔

" اسے تکلیف دو، سارے زمانوں کی سب سے دردناک تکلیف۔ وہ تکلیف جسکی کوئی حد نا ہو، جسکے لیئے کوئی دوا نا ہو۔ اسے تکلیف دو، اس سے سو گنا زیادہ تکلیف جو اس سے کسی کو ملی ہو۔۔۔۔ "

وہ زنگ آلود سوئیاں تھیں جن کو بلند آواز میں کچھ پڑھتے ہوئے اس نے اس جسم میں گھسانا شروع کیا تھا۔ ایک کے بعد ایک۔۔۔۔۔

" اسے تکلیف دو۔ موت جیسی تکلیف لیکن ایسی کہ موت بھی اس سے رہائی نا دلا سکے۔ "

وہ نفرت سے کہتی اسے سوئیاں کھبوتی جا رہی تھی۔

تیسرا باب

(چاہت)

شہناز نے سوپ کا وہ آخری چمچ انہیں پلایا اور پھر آہستگی سے رومال کے کونے سے انکا منہ صاف کیا تھا۔ اتنے میں مریم پھل کاٹ کر پلیٹ انکے پاس رکھ چکی تھی۔

" تھوڑا سا کھا لیں۔ بس یہ ایک سیب ہی تو ہے خالہ جی "

انہوں نے قاش انکی طرف بڑھائی تھی۔ وہ بغور اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"کتنی۔۔۔ کتنی کمزور ہو گئی ہے تو۔ خود بھی کھا۔۔۔۔ "

وہ ہنس پڑیں

" میں کہاں سے کمزور لگ رہی ہوں خالہ جی ؟؟ دیکھیں تو صحیح زرا، اتنی موٹی غبارہ سی تو بن گئی ہوں "

انہوں نے پانی کا گلاس بھرا تھا۔

" سونیا نا آئی ؟؟؟؟ بڑے دن سے دیکھا نہیں اسے--- "

شہناز نے احتیاط سے گلاس انکے لبوں سے لگا دیا

" میں پیغام دیدوں گی آپکا اسے۔ لگا لے گی چکر، بس گھر میں ہی مصروف ہوتی ہے۔ "

انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ مریم بغور انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

" میری بیٹی--- مجھے پتہ ہے اسے میری چاہت ہے۔ بس غصے کی زرا---- تیز ہے پر مجھ سے محبت کرتی ہے۔ جیسے تو کرتی ہے "

" لیٹیں گی اب کچھ دیر ؟ لٹا دوں آپکو ؟؟؟ "

انہوں نے ہولے سے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔ تبھی بیرونی دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔ مریم نے اٹھنا چاہا لیکن شہناز نے منع کردیا تھا۔

" تم خالہ جی کو لٹانے میں میری مدد کرو، باہر عالیہ دیکھ لے گی "

کچھ ہی دیر میں دروازے پہ آہٹ ہوئی اور قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔ شہناز نے رخ موڑ کر دیکھا۔ سونیا کھڑی نفرت بھری غصیل نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

زیاد نے شاکڈ نظروں سے ماں کو دیکھا اور پھر باپ کو

" میرا رشتہ ؟؟؟؟؟؟؟ "

تائی امی نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔

" میرا رشتہ طے کر آئے اور مجھے اب بتا رہے ہیں ؟؟؟؟ "

وہ ابھی تک صدمے میں تھا

" زیاد بیٹا تم۔۔۔۔۔ "

میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ امی اور میری مرضی جاننے کی کسی نے کوشش ہی "

" نہیں کی ؟؟؟؟؟

"کیا ہے تیری مرضی ؟؟؟؟؟ "

تایا ابو نے فوراً پوچھا تھا

اب بھی مت پوچھیئے ابو۔ اتنی زحمت بھی کیوں۔ ڈائریکٹ کارڈ بھجیئے گا ناں کہ "

" فلاں دن تمہاری شادی ہے آ جانا

" تو اوور ری ایکٹ کر رہا ہے یار "

بہزاد بھی وہیں تھا۔ بیزاری سے کہا تو زیاد نے اسکی طرف خفت سے دیکھا

اکیسویں صدی میں لڑکے کا رشتہ اس سے پوچھے بغیر طے کر آنا اوور نہیں لگتا "

"آپکو ؟؟؟؟

" نہیں "

وہ فوراً بولا

" دماغ سے سوچ، اس سے بہتر رشتہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ سسر ہے نہیں، ساس اور سالی بس۔ باقی رشتے دار وہی جو تیرے بھی رشتے دار ہیں۔ اچھی پڑھی لکھی لڑکی بے تحاشا دولت کے ساتھ۔"

وہ زرا رکا

" اب بول برائی کیا ہے اس رشتے میں---- ؟؟؟؟؟ "

وہ زرا دیر کو خاموش رہ گیا۔ تایا ابو کھنکارے تھے۔

" وہ ارشد کی یتیم ہے بیٹا۔ تم کچھ بھی کہو۔ میں نے اپنے بھائی کے منہ کو رشتہ جوڑا ہے۔ رہی دولت گھر بار تو اللہ کا دیا ہمارے پاس بھی بہت ہے۔ میں نے کسی لالچ میں یہ کام نہیں کیا ہے "

وہ لب کاٹتا رہ گیا۔

" تجھے کوئی اور لڑکی پسند ہے کیا ؟؟؟؟؟؟؟ "

ہونہہ نِری ڈرامے بازی۔ ساری زندگی نمبر میری ماں کی چاپلوسی کر کے دل نہیں "
" بھرا تیرا جو آخری وقتوں میں بھی پہنچ گئی۔

انہوں نے نفرت سے شہناز سے کہا تھا

اب کیا رہ گیا لیے اس بیچاری عورت کے پاس جسکی تمنا ہے تجھے ؟؟؟؟ اب کیا "
" چھیننا چاہتی ہے تجھے ؟؟؟؟ بول ؟

" سونیا تم اب زیادتی کر رہی ہو ؟؟؟؟ "

وہ طنزاً ہنسی تھیں۔

" زیادتی اور میں ؟؟؟؟؟ ہا ہا ہا---- بی بی ہوش کرو "

وہ زہر خند لہجے میں بولی تھی ۔

زیادتی اسے کہتے ہیں جو میرے ساتھ کی گئی تھی۔ ہمیشہ------ پہلے میرے "
نوالے تم نے چھینے، پھر میری ماں۔ میرا گھر اور جب اس سے بھی دل نہیں بھرا
" تو میری چاہت بھی------

وہ کہہ کر رکی نہیں تھیں۔

"آئیندہ اس گھر میں قدم بھی رکھا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا یاد رکھنا "

" مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے امی۔ جیسے آپکی مرضی، مجھے یہ رشتہ منظور ہے "
شہناز خوشی سے نہال ہو گئی تھیں اور آگے بڑھ کر اسکا ماتھا چوم لیا

" میری بچی ----- "

وہ خاموش رہ گئی

دیکھنا اللہ پاک تجھے کتنی ڈھیر ساری خوشیوں سے نوازے گا۔ کتنا مبارک دن ہے "
"آج۔ ابھی کل ہی بھابھی پوچھ رہی تھیں کہ کیا فیصلہ لیا مریم نے----

شام میں ہی مٹھائی کی ٹوکری لیئے تائی اور بڑے تایا آ گئے تھے۔

" میری بیٹی۔ بس آج سے یہ میری امانت ہے شہناز "

"آپکی ہی بیٹی ہے بھائی صاحب "

" ارشد آج زندہ ہوتا تو کتنا خوش ہوتا ناں "

جانے والے کہنے کو تو چلے جاتے ہیں لیکن در حقیقت وہ ہمیشہ کے لیئے وہیں رہ جاتے ہیں۔ ہر خوشی غمی میں انکا حصہ ہمیشہ کے لیئے باقی رہ جاتا ہے۔

خوشبو بھری بھاپ اڑاتے پراٹھے کو توے سے اتار کر انہوں نے چولہا بند کیا تھا۔ چائے کا کپ اس ٹرے میں رکھ کر وہ باہر آئی تھیں۔ ڈائننگ پہ زیاد بیٹھا انگڑائیاں لے رہا تھا۔

" کل مرسلین آیا تھا، تمہارا پوچھ رہا تھا "

انہوں نے ناشتے کی ٹرے اسکے سامنے رکھی تھی۔ تایا ابو اور دونوں بڑے بھائی جلدی ناشتہ کر لیتے تھے کہ اپنے اپنے کاموں پہ جانا ہوتا تھا۔ وہ آرام سے دن چڑھے اٹھتا تھا۔

" ہاں ہو گئی تھی بات "

" خیریت تھی ؟؟؟؟ "

" ہاں امی "

وہ بکھری چیزیں سمیٹنے لگی تھیں

" پریشان ہے بیچارہ، ہے ناں ؟؟؟ اولاد کی کمی کیسی اذیت ہوتی ہوگی "

وہ ہی بول رہی تھیں۔

میں نے تو کہا بیٹا فکر مت کرو، اللہ کے گھر میں دیر ہے اندھیر نہیں۔ ٹیسٹ "

" وغیرہ کرواؤ اب تو سائینس بھی ہے

سب کروا لیئے ہیں اماں، سب کلئیر ہے۔ ڈاکٹر یہی کہتے ہیں کہ بس اللہ کی طرف "
" سے ہی دیر ہے
وہ ہنکارا بھر کر رہ گئیں۔

تم کیوں مجھ سے اتنی دور بھاگتی ہو میری جان ؟ میری محبت کے جواب میں "
" اتنی بے رخی کیوں ؟ کیوں میرے دل کے ٹکڑے کیئے رکھتی ہو ؟؟؟
" ابرار ایسی بات نہیں ہے۔ "
مہر نے ہولے سے کہا تھا۔ وہ دونوں پارک میں بینچ پہ ساتھ ساتھ ہی بیٹھے تھے۔
تمہیں پتہ ہے میں اکلوتی اولاد ہوں تو میرے ماں باپ کی نظر ہمیشہ مجھ پہ رہی "
ہے۔ میرے قیٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، رونے ہنسنے تک کا حساب رکھا جاتا ہے۔
" میرے لیئے روز روز تم سے ملنے کے لیئے نکلنا آسان نہیں ہے
" اور میری محبت کا کیا ہے ؟؟؟؟ "

" ،تم سے محبت ہی تو ہے جس کے لیئے میں سارے خطرے مول لیکر آتی ہوں
" یہ نا ہوتی تو میں یہاں کیوں ہوتی۔۔۔۔۔

ابرار نے اسکے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔

" مجھ سے اب صبر نہیں ہوتا۔ مجھے اب تمہارے ساتھ رہنا ہے مہر، ہمیشہ کے
" لیئے۔ کبھی ایسے ملنے آؤ کہ واپس نا جانا ہو، بس یہیں رہ جانا ہو

وہ مسکرادی

" تو آؤ ناں مجھے لینے۔ گھوڑے پہ بیٹھ کر، شادیانے بجاتے ہوئے۔ آتشبازی کے
" ساتھ، کسی راجکمار کی طرح اور مجھے لے جاؤ۔

سارا گھر کسی نئی نویلی دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ کوئی دلہن کہ اسکے ہاتھوں پہ لگی حنا پہ بڑا رنگ چڑھا تھا۔ اسکی کلائیوں میں چوڑیاں چھن چھن کرتی تھیں۔ لمبے ریشمی بالوں میں گجرے بل کھاتے تھے اور کانوں میں آویزے ہلکورے لیتے تھے۔

" میں اچھی تو لگ رہی ہو ناں امی ؟؟؟ "

مریم نجانے کتنی ہی دفعہ ماں سے پوچھ چکی تھی۔

" تمہیں کیا لگتا ہے آئینہ جھوٹ بول رہا ہے ؟؟؟ "

انہوں نے ہاتھوں کے کٹورے میں اسکا چہرہ بھر کر رسان سے کہا تھا۔

" میری چاند سی بیٹی "

زیادہ ماں باپ اور بھائیوں کے ساتھ آیا تھا۔ وہ عہد باندھنے جو ساری عمر کے لیئے تھا۔ وہ عہد جو اس خوبصورت انگوٹھی پہ تحریر تھا۔

" تمہارا، تم میری، تم میرے، ہاں میرے۔۔۔۔ "

" اچھی چال چل گئے بھائی صاحب۔ صحیح کھیل گئے "

چھوٹے تایا نے بیوی سے کہا تھا۔ منگنی ہو چکی تھی اور اب کھانا سرو کیا جانا تھا۔

ارشد کی بے تحاشا دولت کو جائز طریقے سے اپنی تجوری تک لے جانے کا صحیح "
" راستہ ڈھونڈا ہے

" اب چھوڑیں بھی "

انہوں نے نخوت سے کہا تھا۔

ہماری بلا سے۔ ہم تو تین میں نا تیرہ میں۔ ہمیں تو اس روپے پیسے سے اول دن "
" سے فیض نا ملا، پہلے بھی کتے بلیاں کھا رہے تھے، اب بھی کھائیں گے

انہوں نے سر جھٹک کر بیوی کو دیکھا۔

مریم کی ہم عمر ہے ناں مہر بھی ؟؟؟؟؟ ہم نے نہیں سوچا اس بارے میں "
" سونیا بیگم ؟؟؟؟

اتنی عمر ہے ابھی۔ شہناز کو تو آخر آ رہی تھی۔ میں تو ابھی سے اپنی بیٹی کے سر "
پہ نہیں تھوپ رہی کوئی بھی نئی زمہ داری۔ سکون سے پڑھے میری بچی، تب کی
"تب دیکھیں گے

کچھ یاد آنے پہ وہ شوہر کے نزدیک ہوئیں۔

ایک بات تو میں بتانا بھول ہی گئی۔ مجھے امی کے گھر کاغذات کی فائل مل گئی " ہے "

" چلو یہ فریضہ بھی پورا ہوا "

تایا ابو نے لمبی سانس بھری اور صوفے پہ نیم دراز ہو گئے تھے۔ تائی امی بھی پاس ہی بیٹھی چوڑیاں اتار رہی تھیں۔

بس میری تو یہی دعا ہے اللہ پاک نظر بد سے بچائے۔ پتہ ہے ناں آپکو یہاں " حاسدوں کی کمی نہیں ہے۔ اُس سے جلنے والوں کی توپوں کا رخ اب ہماری طرف ہو چکا ہے "

وہ زرا رکیں

کئی سرگوشیاں سنی ہیں آج میں نے کہ اس منگنی کا مقصد بس ارشد کی دولت "
" ماٹھنا ہے

" دفع کرو ان واہیات باتوں کو "
انہوں نے ناک سے مکھی اڑائی

یہ سب میں تب سے سن رہا ہوں جب سے ارشد کی فیکٹری سنبھالی ہے۔ اپنی " حق حلال کی کمائی سے پھل بھی خریدتا ہوں تو سب یوں دیکھتے ہیں جیسے اسکے پیسے سے عیش کر رہا ہوں۔ تم نے تو آج سنا ہے، میں پچھلے دس سال سے سن رہا
" ہوں۔

انہوں نے رسان سے کہا تھا

ایک کان سے سنو دوسرے سے نکال دو، یہی بہتر ہے۔ اب ایک اچھی سی "
" چائے پلا دو

تائی امی ہنکارہ بھر کر رہ گئیں۔

" امی---- "

وہ غنودگی میں تھیں جب مریم نے ہولے سے انہیں پکارا تھا۔ ماہین انکے بغل میں لیٹی دھت سو رہی تھی۔

" ہُوں "

" ایک بات بتائیں گی ؟؟؟؟ "

" پوچھو---- "

اس نے انکی طرف کروٹ لی تھی۔

" یہ چھوٹی تائی آپ سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہیں ؟؟ "

" تمہیں کس نے کہا سونیا مجھ سے نفرت کرتی ہے ؟ "

وہ طنزیہ سا ہنسی

آف کورس امی میں اندھی یا بہری نہیں ہوں۔ ہمیشہ سے میں یہی دیکھتی اور "
سنتی آ رہی ہوں کہ وہ کتنے ہتک آمیز انداز میں آپ سے ڈیل کرتی ہیں۔ ہمیشہ سے
" انکا یہی رویہ رہا ہے ہم سب کے ساتھ
" بس اسکی نیچر ہے ایسی بلاوجہ کا غصہ کرنا۔ "
بہت دیر بعد انہوں نے کہا تھا۔
" تم سو جاؤ پھر صبح اٹھتی نہیں ہو "

رات خاموشی سے اپنے فریضے سر انجام دے رہی تھی۔ اندھیرا چہار سو پھیلا ہر ذی نفس کو لوریاں سنا رہا تھا۔ اپنے بستر پہ چِت لیٹی سونیا کی چھت کو گھور رہی تھیں۔
ماشاءاللہ--- کتنی پیاری ہے شہناز---- کتنی خوبصورت آنکھیں ------ گڑیا سی "
" ہے------ میرا بچہ-----

انہیں تب سے اس سے نفرت تھی۔ تب سے جب سے وہ پیدا ہوئی تھی۔ اس نے انکی ماں چھین لی تھی۔

" صبر کرو بیٹا۔ بس جو اللہ نے لکھ دیا۔۔۔۔ بس مت رو۔۔۔ جانیوالے لوٹ کر نہیں آتے۔۔۔۔ بس میری بیٹی۔۔۔۔۔ "

ماں باپ کے بعد وہ ہمیشہ کے لیئے انکے گھر ہی آ گئی تھی۔ اور تب وہ جنگ شروع ہوئی تھی۔ وہ جنگ جس میں وہ ہمیشہ جیت جاتی تھی۔ ہر مقابلہ ہر بازی وہ اپنے نام کر لیتی تھی۔

وہ ان سے زیادہ خوبصورت تھیں، زیادہ لائق۔ سمجھدار اور سگھڑ۔ یوں کہیں کہ وہ اجالا تھیں جس میں وہ چھپ جاتی تھیں۔

" ہمیشہ میرا حق مارا ہے اس نے۔ پہلے میرا گھر، میری ماں، میرے دوست، میرے نوالے، میرا نصیب اور پھر میری چاہت۔۔۔۔۔۔ "

ارشد اماں کا بھانجا تھا اور انکی محبت۔ شہناز کے آنے سے بھی بہت پہلے سے۔ اس سے بھی بہت پہلے سے۔ وہ ہمیشہ خود کو اسکے ساتھ ہی تو دیکھتی آئی تھیں۔

" شہناز۔۔۔۔۔۔ "

وہ دھک سے رہ گئیں۔ وہ تو ارشد کا رشتہ شہناز کے لیئے لیکر آئی تھیں۔ تو یہاں بھی اسکے تئیں اسکا حق مارا گیا تھا۔ اماں کا سب سے ذہین فطین اور امیر بھانجا انکی چہیتی کے لیئے اور بچا کھچا ماں بیٹی کے لیئے۔۔۔۔۔۔

کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کوئی کسی سے کیوں حسد کرتا ہے ؟؟؟ کوئی کیسے کسی سے نفرت کر لیتا ہے ؟؟؟؟ کب یہ طے ہوتا ہے کہ کون ہمارا دشمن ہے اور کون دوست ؟؟؟؟؟ کیا اس وقت جب ہم خود کو اپنے ہی بنائے ترازو میں کسی کے ساتھ تولتے ہیں اور خود کو ہلکا پاتے ہیں ؟؟؟؟ کیا یہ ہلکا پن ہے جو حسد میں تب بدل جاتا ہے جب ہمیں بے بس کر دیتا ہے ؟؟؟؟؟ کیا تب یہ نفرت میں ڈھل جاتا ہے جب یہ محبت نہیں بن پاتا ؟؟؟؟؟؟؟ تب جب ہم یہ زیادہ سوچتے ہیں

کہ کوئی ویسا ہے تو کیوں ہے بجائے یہ سوچنے کے ہم جیسے ہیں ویسے کیوں ہیں-----

---

اگلی صبح معمول کے مطابق طلوع ہوئی تھی۔ سب ویسا ہی تھا پہلے جیسا لیکن کچھ کچھ تبدیلیاں بھی تھیں جو زندگیوں میں گھل چکی تھیں۔

زیاد اپنے بستر پہ لیٹا فون کی سکرین کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جو اسکی کزن تھی، اب منگیتر کا درجہ پا چکی تھی۔ دلہن بنی، کسی بات پہ دھیما سا مسکراتی ہوئی۔

" تجھے کوئی اور لڑکی پسند ہے ؟؟؟؟؟ "

وہ بازگشت سی ہوئی تھی۔ وہ ویسے ہی لیٹا اس تصویر کو گھورتا رہا تھا۔

چھوٹے تایا کے پورشن میں وہ دونوں میاں بیوی سر جوڑے بیٹھے تھے۔

جو کچھ ہے میری ماں کا ہے تو اب قانونی طور سے بھی بس میرا ہے۔ کوئی حصے بخرے نہیں ہوں گے۔ اب کی بار میں اپنے حصے میں سے اسے ایک آنہ ٹکا تک نہیں دوں گی۔"

وہ نخوت سے کہہ رہی تھیں۔

اندر کمرے میں مہر فون پہ لگی ہوئی تھی

"تم نے وعدہ کیا تھا آج کالج کے بعد مجھے ملو گی۔ دیکھو آج وعدہ خلافی مت کرنا"

وہ مسکرا دی تھی۔

وہی صبح اس تیسرے گھر پہ بھی دستک دے چکی تھی۔ وہ دونوں لڑکیاں تیار شیار ناشتے کی میز پہ تھیں۔ روز جیسا ناشتہ، وہی تیاری۔ بس بدلاؤ یہ تھا کہ اب وہ لڑکی بڑی میٹھی نظروں سے، بڑی چاہت سے بار بار اپنی انگلی میں پڑے اس چھلے کو دیکھتی تھی

اس غلیظ اور پرانے سے پیوند لگے چولے کو گلے میں ڈالے اس آدمی نے اسے بغور دیکھا تھا۔ اسکی چُنی چُنی سی سیاہ آنکھوں میں تیرتی وحشت بھی اسے ڈگمگا نہیں سکی تھی۔ ہولے سے چادر کا کونا سر پہ ڈال کر وہ اسکے سامنے ہی آ بیٹھی تھی۔

"کیا چاہت ہے تیری ؟؟؟؟ "

اسکی آواز ہی بڑی منحوس تھی۔ یوں جیسے رات کے سناٹے میں دور کوئی جانور دوسرے پہ غرّا رہا ہو

" اس خاندان کی تباہی "

" وہ تو تیرا بھی خاندان ہے یاد ہو تو۔۔۔۔ "

"آخ تھو۔۔۔ "

اس نے نفرت سے زمین پہ تھوک دیا تھا۔ اس آدمی کے چہرے پہ مسکراہٹ تیر گئی تھی۔ اسکے غلیظ دانت واضح ہنے لگے تھے۔

"کس حد تک جا سکتی ہے اپنی چاہت کے حصول کے لیئے ؟؟؟؟؟؟ "

" وہاں تک کہ جہاں کوئی حد نا رہے "

اس نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا۔

" بدلے میں کیا دے گی ؟؟؟؟ "

اب کہ اس نے اسے بغور دیکھا تھا۔ وہ للچائی ہوئی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

اس نے سر سے کپڑا سرکا دیا تھا۔

" وہ سب جو تیری چاہت ہوگا۔۔۔۔ "

چوتھا باب

(لمس)

اس کوٹھڑی میں جلتے دیپک کی ناکافی روشنی میں وہ چہرے گڈ مڈ سے ہو رہے تھے۔ دیواروں پہ پھیلے ان بے ڈھبے سایوں کی طرح کہ انکی ہیئت واضح تھی نا ہی چہرے کے نقوش۔ اس فضا میں پھیلی بدبو سے تو اب وہ آشنا ہو چکی تھی۔ اس سے اب اسے کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی۔ بہت ساری چیزوں کی طرح اب وہ اس سے بھی سمجھوتہ کر چکی تھی۔

جیسے وہ سمجھوتہ کر چکی تھی خوف سے، خود پہ حاوی ہوتے خیالات سے، اور اس تکلیف سے، اور ان حالات سے۔

میں قیمت ادا کرنے آئی ہوں، اسکی جو مجھے ابھی ملا نہیں ہے۔ مجھے اچھے سے دیکھ لے اور جان لے کہ میں اپنی بات سے پھِر جانے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

وہ اپنے جسم پہ موجود آخری لبادہ بھی نوچ چکی تھی۔ اس سردی میں برہنہ ہوتے ہوئے بھی اسکا وجود کپکپایا نہیں تھا۔ اس نے دیکھا وہ رالیں ٹپکا رہا تھا۔

جسم ایک ذریعہ ہے اس تک جانے کا، وہ خوش ہوگا تجھ سے۔ پھر تو جیسا کہے گی ویسا ہی ہوتا رہے گا"

وہ لمس اسکے بدن پہ دور تک اپنے نشان چھوڑتے جا رہے تھے۔ وہ تو گویا پتھر کی سِل تھی۔ خاموش، ساکت اور بے حس۔ اسکے تو گویا جذبات ہی نہیں تھے۔ تھے تو اب زندوں میں نہیں تھے۔ جیسے وہ خود نہیں تھی۔

آج چھٹی کا دن تھا۔

مہر صبح سے ہی کچن میں گھسی ہوئی تھی۔ اپنی کسی دوست سے نئی ترکیب پوچھ کر آئی تھی تو اب بس وہی بن رہا تھا۔ کسی عجیب و غریب سی اطالوی ڈش کا نام جسے سن کر ہی سونیا بیگم کا منہ بن گیا تھا۔

" پہلے روٹی تو پکانا سیکھ لے، اگلے گھر والے یہ نوکی شوکی نہیں کھائیں گے "

" امی پلیز میرا موڈ خراب مت کرنا "

وہ پاستے کا آٹا گوندھ رہی تھی۔ جانفشانی سے بنائی وہ ڈش دوپہر تک تیار تھی۔ ایک ٹرے میں ڈونگا رکھ کر، اچھے سے ڈھک کر وہ ماں کی نظر بچا کر باہر آئی اور ماہین کو اشارہ کیا۔

" چندا ایک کام کردو، یہ ابرار کو دے آؤ "

وہ جھجھکی تھی۔

آپی اتنی دوپہر کو امی جانے نہیں دیں گی۔ وہ کہتی ہیں اب تم بڑی ہو گئی ہو تو "

" باہر مت جایا کرو

" میری بہن نہیں ہو پھر "

اس نے لجاجت سے کہا تھا۔

" چاچی کو کہہ دینا اپنی کسی دوست کے گھر جا رہی ہو۔ پلیز ماہی، پانچ منٹ کا کام ہے۔ تم پھر میری سب سے اچھی کزن بھی تو ہو۔۔۔۔"

وہ بادل نخواستہ مان گئی تھی۔ مہر نے خوشی خوشی ٹرے اسے تھمائی تھی۔

ابرار کا گھر وہیں دو گلیاں چھوڑ کر تھا۔

گھر کے ساتھ ہی بیٹھک میں وہ اپنی دوکان کرتا تھا۔ درزی کا کام سیکھ چکا تھا اور اب اپنی دوکان چلاتا تھا۔ ہاتھ میں صفائی تھی تو اب اچھے گاہک آنے لگے تھے۔

گھر پہ اسکی ماں اور دادی کے علاوہ کوئی نہیں ہوتا تھا۔ باپ ریڑھی لگاتا تھا اور بھائی بیرونِ ملک روزی کمانے کے لیئے گئے ہوئے تھے۔

ماہین ٹرے لیکر پہنچی تو وہ اکیلا ہی تھا۔ سٹینڈ پہ کھڑا کپڑے استری کر رہا تھا۔

اسے دیکھا تو مسکرایا اور چہک کر پوچھا

" ارے ماہی آئی ہے، دیکھو تو۔۔۔۔ "

وہ شرمائی اور ٹرے اسکی طرف بڑھائی

" یہ مہر آپی نے بھیجا ہے "

اس نے آنکھیں موند کر ایک گہری سانس لی اور وہ خوشبو اپنے اندر اتاری تھی۔

" اوہ کتنی اچھی خوشبو ہے۔ آؤ، ساتھ میں کھاتے ہیں "

" نہیں ابرار بھائی مجھے جانا ہے، دیر ہوگئی تو امی غصہ کریں گی "

"کوئی بات نہیں یار، آؤ تو "

وہ وہیں ایک طرف رکھی کرسی پہ ٹِک گئی تھی۔ ابرار ڈونگا لیئے اسکے پاس ہی آ بیٹھا تھا۔ بھاپیں اڑاتے کھانے کی خوشبو سارے میں پھیلنے لگی تھی۔ اس نے اسے بغور دیکھا تو اسکے ماتھے پہ پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہو چکے تھے۔

آج گرمی کتنی زیادہ ہے ناں، ساری دھوپ اندر آ رہی ہے اور گرم لو۔۔۔۔ رکو میں " دروازہ بند کر دیتا ہوں

" ایک بات پوچھوں زیاد ؟؟؟؟ "

مرسلین نے اسے بغور دیکھا تھا۔ وہ منگنی کے بہت دن بعد آج اس سے ملنے کے لیئے آیا تھا۔

" ہاں بولو "

اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھا

" تو اس منگنی سے خوش نہیں ہے کیا ؟؟؟؟؟ "

زیاد نے اسے بغور دیکھا

" تجھے کیا لگتا ہے یار ؟؟؟؟؟ "

مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تبھی تو تجھ سے پوچھ رہا ہوں، کیا بات ہے ؟؟؟؟؟ "

"

وہ کچھ لمحوں تک خاموش رہا تھا

پتہ نہیں یار کیا بات ہے مجھے خود بھی نہیں پتہ۔ سوچتا ہوں آجکل کے دور میں " کون ایسے منگنی کرتا ہوگا ؟؟؟؟ ایک دن ماں باپ نے بتایا کہ تمہارا رشتہ کردیا ہے اور اگلے دن منگنی ہوگئی۔ وہ جو ہم سنتے ہیں کوئی ملا، اچھا لگا، محبت ہوئی، ایک دوسرے کو سمجھا، پھر بات آگے بڑھائی، وہ سب کہاں گیا ؟؟؟؟ یہ قدیم زمانوں " جیسا رشتہ---

مرسلین نے اسے بغور دیکھا

" تو تجھے کوئی اور پسند ہے ؟؟؟؟؟ "

" یہ بات نہیں ہے یار "

وہ بیزاری سے بولا

" لیکن مجھے وہ بھی پسند نہیں ہے۔ "

"کیوں ؟؟؟ "

اس نے کندھے اچکا دیئے۔

" کبھی کبھی لگتا ہے میں نے ابو کی بات مان کر غلطی کردی ہے "

وہ سلائی مشین کے پاس بیٹھی اشیاق سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کھانے کے بعد ہاتھ صاف کرتے ابرار نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"آپکو ساری سلائی آتی ہے ؟؟؟ "

" ہاں گڑیا، ساری سلائی آتی ہے "

" واؤ "

اس نے تعریفی نظروں سے اسے دیکھا

مجھے بھی بہت شوق ہے سلائی کرنے کا ابرار بھائی۔ لیکن امی کہتی ہیں بس "
" پڑھائی کرو، وہ مجھے یہ سب نہیں سیکھنے دیں گی

" اوہ تو یہ بات ہے "

وہ ہولے ہولے چلتا اسکے پاس آیا تھا۔ وہ ابھی تک سلائی مشین کے پاس بیٹھی اشتیاق سے اسے دیکھ رہی تھی۔

تو تم ایسا کرو میرے پاس سیکھنے کے لیئے آ جایا کرو، میں تمہیں ساری سلائی "
" سکھا دوں گا

وہ آہستگی سے اسکے پاس آ بیٹھا اور اسکے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیکر مشین کی ہتھی پہ رکھا تھا۔ اب وہ آہستہ آہستہ مشین چلانے لگا تھا یوں کہ ماہین کا ہاتھ اسکے ہاتھ کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اسکے دوسرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیکر وہ اس کی پشت پہ جھکا تھا۔

" میں تمہیں سب سکھا دوں گا۔ دیکھنا پھر تمہیں کتنی اچھی سلائی کرنی آ جائے گی "

ماہی نے اپنی گردن پہ وہ لمس محسوس کیئے تھے۔

رات بڑی ڈراؤنی تھی۔

بادل ایسے گرجتے تھے کہ خوف کے مارے کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ لمحہ لمحہ بجلی چمکتی تھی اور یوں لگتا کہ اپ ی زمین کو چھو لے گی۔ آندھی کے تھپیڑے ہر شے کو جڑ سے اکھیڑ دینے کو تیار تھے۔

وہ اپنا سیاہ چولہ پہنے، اس قبر کے گرد چکر کاٹ رہی تھی۔ دیپ تو کب کا بجھ چکا تھا۔ اسکی اب اسے پرواہ بھی نہیں تھی۔ اب جب اندھیروں سے دوستی کرنے کی ٹھان لی تھی تو روشنیوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔

وہ ضرور آئیں گے، جب کوئی انہیں پکارتا ہے، انہیں مدد کے لیئے آواز دیتا ہے "، تو وہ ضرور آتے ہیں۔ بس یہ یاد رکھنا کہ ہر شے کی ایک قیمت ہے۔ کہیں جسم

کہیں روح، کہیں خوشی، کہیں درد، کہیں اپنا آپ اور کہیں دوسروں کی قربانی دینی " ہوتی ہے۔ تو کیا دے سکے گی ؟؟؟؟؟؟؟؟؟

اس نے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھ لیئے اور رفتار بڑھا دی تھی۔ بادل اب چھلنی ہو چکے تھے۔ بارش کی بوندیں زمین تک کا سفر طے کرنے لگی تھیں۔

" میں ہر قربانی کے لیئے تیار ہوں "

اس نے گہری سانس لی تھی۔ بارش زور پکڑنے لگی تھی۔ بادل کی گرج وہیں کی وہیں تھی۔ اس نے قبر کے پاس رکھے کٹورے کو اٹھایا تھا۔ اس میں وہ مکروہ رنگ کا مائع تیر رہا تھا۔ اونچی آواز میں جاپ دہراتے ہوئے اس نے وہ منہ سے لگا لیا تھا

میرے آقا اشطامان کہ بس وہ ہیں میرے اور میں انکی داس۔ میرے آقا۔۔۔۔ "

"

اس نے بجلی کو زمین تک پہنچتے دیکھا تھا۔ وہ قبر لمحوں میں پھٹ گئی تھی۔ وہ قبر کا جانور تھا جو اپنی نحوست بھری آواز میں رویا تھا۔

" میرے آقا آئیں اور مجھے اپنی غلامی میں لے لیں "

وہ پوری طرح بھیگ چکی تھی۔ آنکھیں موندے، سر اٹھائے وہ قبر کے پاس کھڑی تھی جب اس نے وہ لمس محسوس کیئے تھے۔ کوئی تھا، کوئی تو تھا جو وہاں تھا۔ اس نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ وہ احساس رینگتا ہوا اسے بدن پہ دور تک جا رہا تھا۔ بارش کے قطروں کے ساتھ ساتھ، تیزی سے۔

" سوال کیا ہے ؟؟؟؟؟ "

اس نے محسوس کیا کہ سوال ہوا تھا۔

" اذیت "

آنکھیں موندے موندے وہ ہولے سے بولی تھی

" اس سے زیادہ جو سہی جا چکی "

"اس سے زیادہ ممکن بھی ہے کیا؟؟؟؟؟؟"

"کہاں تھی تو اتنی دیر سے؟؟؟؟؟"

امی نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ ہونٹوں پہ زبان پھیرتی انہیں دیکھنے لگی

"وہ۔۔ میں۔۔۔۔ یہیں تو تھی"

یہاں کہاں؟؟؟؟ میں آوازیں دے دے کر تھک گئی، سارا گھر دیکھ لیا، ہر کونا" کھدرا"

انہوں نے اسے بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

"کہاں تھی تو سچ سچ بتانا؟؟؟"

وہ میں۔۔۔۔ یہیں تھی امی قسم سے۔۔۔ مہر آپی کے پاس تھی۔ ان سے سوال" سمجھنے گئی تھی"

وہ اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

" میں سچ کہہ رہی ہوں امی، چاہے تو ان سے پوچھ لیں، بلاؤں انہیں ؟؟؟؟؟ "

وہ اب سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھنے لگی تھی۔ انہوں نے لمبی سانس لی تھی۔

" جب سونیا کو تم لوگوں کا آنا جانا پسند نہیں تو کیوں جاتی ہو وہاں، خوامخواہ باتیں بناتی ہے وہ بعد میں۔ مت جایا کرو "

" کیوں نا جاؤں۔ مہر باجی اتنا پیار کرتی ہیں، مریم سے تو اچھی ہی ہیں۔ مجھے نہیں کہتی ہیں کچھ بھی "

" ماہی کبھی تو بات سن لیا کر۔۔۔۔ "

" ایسے ہی ہوتا ہے یار، جب کوئی نیا انسان ہماری زندگی میں آتا ہے تو پہلے پہل ہمارا ذہن اسکے وجود کو قبولنے سے انکاری رہتا ہے "

مرسلین رسان سے کہہ رہا تھا

میری جب رابعہ سے شادہ ہوئی تو مجھے بھی ایسے ہی لگتا تھا۔ دو انجان لوگ بھلے " سے ایک رشتے میں بندھے ہوں لیکن انہیں دوست ہونے میں ایک وقت لگتا " ہے۔ میں سمجھ رہا ہوں تیری حالت، تو ٹینشن مت لے۔

اس نے زیاد کے لندھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

دیکھ یار، رشتہ بنا کیسے ہے یہ اہم نہیں ہوتا، بن گیا ہے تو نبھانا کیسے ہے، یہ " زیادہ ضروری ہے۔ رشتہ جو بھی ہو، جیسے بھی بنا ہو، وہ محبت کا ہی ہوتا ہے۔ محبت " پہلے ہو رشتہ بعد میں بنے یا محبت بعد میں ہو، محبت ہوتی ضرور ہے

وہ گھر واپس آرہا تھا جب اسے راستے میں سڑک کے کنارے مریم دکھائی دی تھی۔

وہ پہلے تو آگے بڑھ گیا، پھر کچھ سوچ کر واپس پلٹا۔

"کیا ہوا ؟؟؟؟؟؟ "

رکشے والا ٹائر بدلنے میں مصروف تھا۔

" اتنی گرمی ہے جی، ہر شے کو ہی موت آئی ہوئی ہے "

زیاد نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا جو رجسٹر سے پنکھا جھل رہی تھی۔

"آؤ، چلو"

اس نے سرسری سے لہجے میں کہا تھا۔

" ٹھٹھ۔۔۔۔ ٹھیک ہے زیاد بب۔۔۔۔۔۔ مطلب "

وہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ اس نے بائیک سٹارٹ کی۔

" بیٹھو۔۔۔۔۔ "

روز کے یہی ڈرامے ہیں اس منحوس کاشف کے، آج ٹائر پنکچر، کل چین کا "

" مسئلہ۔ بارہ کی چھٹی ہوئی اڑھائی تین بجے پہنچتی ہے میری بچی گھر

شہناز نے اسے روک لیا تھا۔

" مریم جلدی پانی لاؤ "

" نہیں چچی کوئی بات نہیں، میں گھر ہی جا رہا ہوں "

" ارے دو گھڑی سانس تو لو، پانی پی کر جانا "

پہلے کی بات اور تھی، اب وہ اس گھر کا ہونیوالا داماد تھا۔

مریم کمرے میں بستر پہ بیٹھی لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ لب آپوں آپ مسکرا پڑے تھے۔

"کیا ہو گیا ؟؟؟؟؟ "

اس نے حیرانی سے پوچھا۔

" یہ تو تم بتاؤ گی۔ آخر ہوا کیا ؟؟؟؟؟ "

دل بے ایمان۔

" مریم---- "

امی نے پھر سے آواز دی تھی۔ وہ "جی امی لائی "کہہ کر جلدی سے اٹھی تھی۔

وہ اسکے پاس ہی بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں

"گرمی تو مت پوچھو بیٹا، جہنم کا ایگزاسٹ کھل گیا ہے شائد ہم پہ---- "

اس دن وہ جاتا ہوا ان سے کہہ گیا تھا۔

" چچی رکشے والے کو منع کردیں، میں مریم کو خود کالج لے جایا کروں گا اور واپس بھی لے آیا کروں گا "

" پاستا کیسا لگا تمہیں ؟؟؟؟ "

" تم نے کچھ بنایا ہو اور مجھے اچھا نا لگے یہ کیسے ممکن ہے میری جان۔ جی کر رہا تھا تمہارے ہاتھ چوم لوں "

مہر وہ میسج پڑھ کر بہت دیر تک مسکرائی تھی۔

" باتیں بنوا لو تم سے جتنی مرضی "

" نہیں جناب ہم بس باتیں نہیں بناتے، تم جب چاہے پریکٹیکل کروا سکتی ہوں "

" شرم کرو "

" محبت میں کیسی شرم کیسی لجا یار "

ساتھ ہی دوسرا میسج آیا تھا۔

" تمہارے لیئے شرٹ سی ہے مہر، تم ماہین کو بھیج دینا، میں اسے دیدوں گا "

" اسکی کیا ضرورت تھی ابرار۔ تم میرے لیئے پیسے اور وقت برباد نا کیا کرو "

" برباد ؟ "

ساتھ ٹوٹے ہوئے دل کا ایمو جی تھا۔

" سنو !!!

تم میرے لیئے پیسے اور وقت سے زیادہ قیمتی زیادہ اہم ہو مہر۔ برباد وہ وقت ہوتا ہے ،جس میں تمہارا ساتھ، تمہاری یاد یا تمہارا کام نہیں ہوتا ہے۔ جو تم سے ہوتا ہوا گزرا " سمجھو وقت تو بس وہ محفوظ ہوا، وقت تو وہ یادگار ہوا، وقت تو بس وہی کارآمد تھا

وہ لیٹی ہوئی اس میسج کو پڑھتی جا رہی تھی۔ اسکے وجود پہ گزرے وقتوں کے وہ لمس سانسیں لینے لگے تھے۔

" ہرگز نہیں اماں "

سونیا نے تڑپ کر ماں کو دیکھا۔ وہ تکیئے سے ٹیک لگائے لمبے لمبے سانس لے رہی تھیں۔

" میں ایسا کچھ بھی ہونے نہیں دوں گی۔ جو کچھ بھی ہے، میرا ہے، میرے باپ کی جائیداد ہے۔ کسی کو بھی میں ایک پھوٹی کوڑی نہیں دوں گی "

" سس---- سونیا "

وہ بمشکل بول پائی تھیں۔

" وہ میری بیٹی کی---- یہ میرا حصہ ہے جس میں سے اسے دے رہی ہوں---- "

" تیرے برابر کا، تیری طرح---

" یہی تو کہہ رہی ہوں اماں، وہ میرے برابر کی ہے ہی نہیں۔ "

انہوں نے نفرت سے کہا اور رخ موڑ کر پاس بیٹھے شوہر کو دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ اشارہ ہوا تھا۔ وہ کاغذ تو پہلے سے تیار تھے۔ سعنیا نے ہی انکے سامنے وصیت کے کاغذ کو پھاڑ ڈالا تھا۔

" اب اور بے انصافی نہیں اماں۔ اب بس "

اس فالج زدہ ہاتھ سے دھڑا دھڑ انگوٹھے لگوا لیئے گئے تھے۔ وہ ماں اپنی اس اولاد کو دیکھتی رہ گئی۔ پہلے تو ان بوڑھی آنکھوں کو یقین ہی نہیں آیا تھا کہ وہ سب جو انہوں نے دیکھا حقیقت تھی۔ پھر جب پتہ چلا تو دیر ہو چکی تھی۔

"سس۔۔۔۔۔ سونیا۔۔۔۔۔ "

وہ لمس ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔

پانچواں باب
(زیادتی)

امی--- مجھے بچالیں ---- بہت درد ہے--- بہت تکلیف میں ہوں--- "

"امی---- امی----

وہ ماں کو امید بھری نظروں سے دیکھتا ہوا ہچکیوں سے رو رہا تھا۔ ایک مان کہ وہ ماں جو ہمیشہ ہر درد ہر تکلیف سے اسے بچاتی آئی ہے، ہر زخم کے لیئے مرحم بنتی آئی ہے، اب بھی اسے اس ایذا سے دور لے جائے گی۔

یہ دیکھیں--- یہ زخم، یہ میری جان نکال رہا ہے امی---- اس میں بہت " تکلیف ہے---- امی میں درد سے مر جاؤں گا---- امی مجھے بچا لیں----

امی۔۔۔۔ وہ مجھے کاٹ ڈالے گا، دیکھیں میری کھال کے اندر وہ آگ بھر رہا ہے۔۔۔۔ وہ بڑا بے رحم ہے امی۔۔۔۔۔ مجھے بچا لیں۔۔۔۔

وہ زیادہ بے بس نہیں تھا۔

بے بس وہ ماں تھی جسکے اختیار کا دائرہ سکڑتے سکڑتے اتنا سا رہ گیا تھا کہ اولاد کو رنج و الم سے بچائے رکھنا اس دائرے سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ بیچاری ماں جو اسکی پیٹ سے لگی، اسکے ماتھے پہ ہاتھ رکھے بے آواز رو رہی تھی۔

ان سے دور کھڑی اشطامان کی اس داس نے چہرے پہ آنچل کا کونا ڈال لیا تھا۔ وہ من ہی من خود سے پوچھنے لگی تھی

"کیا میں نے زیادتی تو نہیں کردی ؟؟؟؟؟ "

سونیا نے نفرت بھری نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

وہ ابھی ابھی آئی تھیں اور اب اماں کی چارپائی سے لگی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔

" آپ نے مجھے ایک بار پھر یتیم مسکین کردیا خالہ--- ایک بار پھر سے میری ماں میرا باپ اس دنیا سے چلے گئے---- اب کون رہ گیا میرے پاس ؟؟؟؟ اب کیا رہ گیا میرے پاس ؟؟؟؟؟ "

انہوں نے سر جھٹکا

" ہونہہ نرے ڈرامے۔ یہی ناٹک کرتے کرتے اس گھٹیا عورت نے میری ماں مجھ سے چھین لی "

وہ سورت یاسین لیئے بیٹھی تھیں۔

" تم نے بڑی زیادتی کی سونیا۔ تمہیں پتہ تھا وہ اس حال میں ہیں تو مجھے اطلاع تو کرتیں، آپسی نفرت اپنی جگہ، مائیں تو سانجھی ہوتی ہیں۔ میں انہیں آخری بار خدا حافظ تو کہہ دیتی "

" میں کیوں اطلاع دیتی ؟؟؟؟ غلام ہوں میں تیری ؟؟؟ "

وہ زہرخند لہجے میں بولی تھیں۔

اور بی بی وہ میری ماں تھی، اور میں نے انہیں خدا حافظ کہہ دیا۔ اب یہ مگرمچھ "
" کے آنسوؤں اور فضول کے ڈھکوسلوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے، سمجھیں

محلے کی ہی ایک عورت نے انہیں خاموش کروایا تھا۔

،بس بھی کرو تم دونوں، گھر میں میت پڑی ہے اور تم دونوں ایسے لڑ رہی ہو "
" شرم تو کرو

شرما شرمی میں ہی وہ چپ کر گئی تھیں ورنہ ارادہ تو انہیں بہت ذلیل کرنے کا تھا۔

مکار عورت، جانے کیا جادو کیا ہوا تھا میری ماں پر کہ انہیں اس فتنی کے علاوہ "
"کوئی نظر ہی نہیں آتا تھا۔

ابرار بھائی تو بہت اچھے ہیں مہر آپی۔ پتہ ہے اس دن انہوں نے مجھے سلائی " مشین بھی چلانے دی تھی اور وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے میری گڑیا کے لیئے کپڑے " سینا سیکھائیں گے

" ارے واہ "

مہر اور وہ دونوں نزدیکی سٹور تک آئی تھیں۔ مہر نے کچھ چیزیں خریدنا تھیں۔ یا پھر شائد وہ چیزیں بہانہ تھیں، اصل مدعا ابرار سے ملنا تھا۔

تم کیوں بلاوجہ اس سے فری ہو رہے ہو ؟؟؟ اس نے کسی سے ذکر کردیا تو "

" ؟؟؟؟

" لو جی الٹا تم مجھے کہہ رہی ہو "

اس نے برا سا منہ بنایا

اسے اعتبار میں بھی تو لینا ہے ناں۔ اسے پیار سے سمجھائیں گے، اپنے کاموں " " کے ساتھ ساتھ اسکی بھی دو تین باتیں مانیں گے تو ہی وہ ہمارے راز رکھے گی۔

مہر خاموش رہ گئی۔

" میں یہ سب ہمارے لیئے کرتا ہوں مہر، مجھے یہ ساتھ ہر شے سے بڑھ کر عزیز ہے "

اس نے ہولے سے اسکے گال کو لبوں سے چھو لیا تھا۔ وہ منظر جو ماہین نے کن انکھیوں سے دیکھ لیا تھا۔ وہ جو اس گیارہ بارہ سالہ بچی کے ذہن کے لیئے برائی نہیں تھا۔ اسی لیئے کہ اس کی بڑی بہن جیسی کزن اسے برا نہیں جان رہی تھی۔ وہ تو اسکے لیئے کسی کی بے تحاشا اور بے لوث محبت کی نشانی تھا۔

" ابرار بھائی بہت اچھے ہیں ناں آپی "

گھر واپسی پہ اس نے اسے کہا تھا۔ مہر مسکرا دی اور ہولے سے گال کو چھوا۔ اسکے لمس ابھی تک دہک رہے تھے۔

" ہاں بہت زیادہ "

زیاد کا مرسلین سے کوئی جھگڑا ہوا تھا۔

اُس سے پوچھتے تو وہ کہتا کہ زیادتی مرسلین نے کی ہے، یہی جواب اسکا زیاد کی بابت بھی ہوتا۔ حالانکہ بات زیادہ نہیں تھی۔

دونوں اکٹھے کاروبار شروع کر رہے تھے۔ زیاد نوکری کی تلاش سے تھک چکا تھا اور ہر صورت کوئی کام دھندا کرنا چاہتا تھا۔ مرسلین سے ذکر کیا تو بس وہ منصوبہ بن گیا۔ ففٹی ففٹی کی پارٹنر شپ۔ نفع اور نقصان کی برابری کی سانجھے داری۔

چار ماہ تو سب ٹھیک رہا۔ تھوڑا بہت نفع بھی ملتا رہا۔ پھر جب خسارہ بڑھنے لگا تو تفشیش ہوئی۔ اِس نے مرسلین سے بازپرس کی۔ وہ بھی ٹینشن میں تھا کہ اسکی بھی ساری جمع پونجی داؤ پہ لگی ہوئی تھی۔ بس یہیں سے غصے میں تو تو میں میں ہو گئی۔

اب جانے شروعات کس نے کی اور زیادتی کس نے، نتیجہ یہ نکلا کہ جھگڑا بڑھتا چلا گیا۔ ہاتھا پائی، گالم گلاچ اور گھٹیا الزامات۔

پرانی کہاوت ہے کہ سانجھے کی ہانڈی ہمیشہ چوراہے پہ پھوٹتی ہے۔

پھوٹ تو گئی تھی۔

بچپن کی دوستی یاری ختم۔ ملنا ملانا بند۔ وہ ساری چپقلش دونوں خاندانوں کے درمیان بنا اتنے سالوں کا رشتہ نگل گئی تھی۔

سارا کاروبار ہڑپ کرنے کی سوچ رہا تھا۔ میں کمینے کو بچپن سے جانتا ہوں امی۔ "

" بڑی پہنچی ہوئی چیز ہے یہ مرسلین۔ ہونہہ بڑا آیا میرا ہمدرد

" ایسے نہیں، تم غلط کر رہی ہوں میری جان، میں تمہیں سمجھاتا ہوں "

وہ میر کا ہی کوئی سندیسہ لیکر دوکان پہ آئی تھی۔ آج بھی دوکان پہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اسے رکنے کا کہہ کر باتیں کرنے لگا تو وہ سلائی مشین پہ جا بیٹھی

ایسے تو سوئی سے تمہارا نقصان ہو جائے گا ماہین۔ ٹھہرو، ہم اسے اچھے سے کرنا "

" سیکھتے ہیں

وہ دروازہ بند کر کے اسکے پاس آ بیٹھا اور مشین کا رخ اپنی طرف موڑ لیا۔

" تم ایسا کرو ادھر آؤ، یہاں میرے پاس۔۔۔۔ "

،وہ اسے گود میں بھر چکا تھا۔ وہ اسی شوق میں کہ گڑیا کی قمیض سلائی کرنا سیکھے گی

وہ سب کرتی گئی۔

" یہ یہاں ایسے۔۔۔ ہاں بالکل، اور یہ دھاگہ۔۔۔۔ "

اسکے بازوؤں کو اپنے بازوؤں کے حصار میں لیئے، اسکے کندھے پہ اپنی ٹھوڑی رکھے

وہ اس پہ جھکا ہوا تھا۔

تمہاری خوشبو کتنی اچھی ہے ماہین۔ اور تمہارے بال۔۔۔۔ اف یہ کتنے خوبصورت "

" ہیں۔ تم تو اپنی مہر آپی کی طرح ہی حسین ہو۔

وہ شرما گئی۔

" سچی ؟؟؟ مہر آپی تو بہت پیاری ہیں "

" تم بھی تو بہت پیاری ہو "

اسکی انگلیاں معصوم جسم پہ دور تک پھیلتی گئی تھیں۔ وہ اسکی گردن پہ لبوں کے نشان چھوڑتا رخسار تک آگیا تھا۔

اسکے لیئے یہ سب نیا نہیں تھا۔

،وہ کتنی بار مہر کو اسکے ساتھ ایسے دیکھ چکی تھی۔ اسکے کسی دوست کے فلیٹ پہ پارک میں، دوکان پہ جب وہ اسکے ساتھ ابرار سے ملنے آتی تھی۔ اپنے تئیں وہ اسے کسی کھلونے میں، لیپ ٹاپ پہ کارٹونز میں یا گڑیا کے کپڑوں میں مصروف کر دیتے تھے لیکن وہ بچی انھی اور بہری نہیں تھی۔ وہ سب دیکھتی تھی بھلے کن انکھیوں سے ہی لیکن وہ سب دیکھتی تھی۔ اسکے ذہن نے پیار اور محبت کے نام پہ وہی خاکہ بنا لیا تھا۔ اور وہ اب اسکے لیئے عام بات تھی۔ کوئی کسی کا فائدہ کیسے اٹھاتا ہے، اسے کسی نے بتایا اور نا ہی اسے پتہ چلا۔ کوئی بتاتا تو جان لیتی کہ ابرار نامی وہ شخص اسکی کزن کا فائدہ اٹھاتا آ رہا تھا۔ بالکل ویسے ہی جیسے وہ اسکا فائدہ اٹھانے لگا تھا۔

اسے کالج چھوڑنا اور واپس لانا زیاد اپنے زمے لے چکا تھا اور اب وہ یہ زمہ داری پوری جانفشانی سے نبھا رہا تھا۔ روز اسکے تیار ہو کر گھر سے نکلنے سے پہلے وہ بائیک لیئے انتظار میں ہوتا تھا۔ وہ بہت دیر باہر نہیں آتی تھی تو اسے آواز دیتا تھا۔

" مریم۔۔۔۔۔ "

اسکی آواز میں اپنا نام سننے کو تو وہ دیر کرتی تھی۔ تیار شیار ہوئی بلاوجہ کمرے میں گھسی کتابوں کو اٹھاتی رکھتی رہتی جب تک وہ پکار نہیں سنائی دیتی تھی

" مریم ۔۔۔۔۔۔ "

اسے اپنا نام اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ نام جو وہ پکارتا تھا۔ وہ پکار جو بس ایک نام کی نہیں تھی۔ اس پکار میں ایک دنیا آباد ہوا کرتی تھی۔ ایک مان، اپنا پن، میٹھی سی جھنجھلاہٹ، تم زیادتی کرتی ہو یہ گلہ، اور اسکا نام

" باجی تم زیاد بھائی سے محبت کرتی ہو ؟؟؟؟ "

اس دن ماہی نے اسے چپکے چپکے مسکراتے ہوئے دروازے سے اندر آتے دیکھا تو پوچھا تھا۔ وہ ٹھٹھک گئی۔

" بے شرم تمہیں یہ کس نے کہا ؟؟؟؟؟ "

" بس مجھے پتہ ہے "

اس نے شان بے نیازی سے کندھے اچکا دیئے تھے۔

" مطلب بھی پتہ ہے اس لفظ کا تمہیں ؟؟؟؟ بڑی آئی دانشور۔۔۔۔ "

" مریم کن ہواؤں میں ہے آجکل ؟؟؟؟ "

کھانے کی میز پہ وہ دونوں ماں بیٹیاں ہی تھیں۔ ابو دوپہر میں کھانا نہیں کھاتے تھے۔ گرمی سردی بس یہی روٹین تھی۔

" بڑی اونچی ہواؤں میں ہے۔ "

مہر نے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔

اس کے تو مزاج ہی نہیں ملتے ہیں۔ اپنے اس بے روزگار دو کوڑی کے منگیتر "
کے ساتھ کھٹارہ بائیک پہ یوں بیٹھتی ہے جیسے نجانے کہاں کی مہارانی لگی ہوئی
" ہے۔ ایسے ہی ایٹی ٹیوڈ دکھاتی ہے ہر جگہ

وہ بولتی جا رہی تھی۔

اور تو اور امی ایسے اسکے ساتھ چپک کر بیٹھتی ہے۔۔۔ بے شرم کو کسی کی پرواہ "
بھی نہیں ہے۔ اس دن میں ابو کے ساتھ تھی اور وہ دونوں بائیک پہ آگے تھے۔

" یونہی چپکی رہی زیاد سے، ابو سے بھی حیا نہیں کی

" اولاد کس کی ہے پھر، اس بے حیا عورت کی "

مہر نے سر جھٹکا

مزاج تو بڑی بھابھی کے بھی نہیں ملتے اب۔ بہزاد نے گھر جو لے لیا ہے کالونی "
" میں، بیوی کو لیکر وہیں شفٹ ہو گیا ہے۔

" چھوٹی چچی کے پیسوں پہ عیش ہے "

"کرتے رہیں بھئی ہماری بلا سے۔ ہمیں تو خدا بچائے اس حرام کے پیسے سے "

سونیا نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

رات میں سونیا نے شوہر سے ذکر چھیڑا تھا۔

" بیٹی جوان ہو رہی ہے، اسکا کچھ سوچیں "

انہوں نے چونک کر بیوی کو دیکھا جو کہ انہیں ہی دیکھ رہی تھیں۔

ابھی کچھ دن پہلے تک تو تم ہی بچیوں کے اتنے جلدی رشتوں کی مخالف تھیں۔ "

" تم ہی کہہ رہی تھیں ناں کہ ابھی مہر کی عمر ہی کیا ہے ؟؟؟؟؟

آپ ہر بات میں طعنے دینے بیٹھ جایا کریں، خدا جانے یہ عادت کہاں سے پڑ گئی "

" ہے آپکو

وہ چوٹیا کرنے میں مصروف تھیں۔

اچھے رشتے ملتے ایک وقت نکل جاتا ہے مہر کے ابو۔ ابھی سے تلاش شروع کریں "
" گے تو اپنی بیٹی کے شایانِ شان کوئی مل پائے گا۔

" ہوں۔۔۔۔ "

وہ سوچ میں پڑ گئے

"کیا سوچ رہے ہیں "

سوچ رہا ہوں بھائی صاحب سے بات کروں۔ زیاد کی تو منگنی ہو گئی مگر شہزاد۔۔۔۔ "
"

" خبردار "

وہ فوراً بولی تھیں۔

سوچیئے گا بھی مت۔ جس گھر میں اس ناگن کی بیٹی جائے گی وہاں میں مہر کا "
" رشتہ مر کے بھی نہیں کروں گی

لیکن سونیا اس میں مضائقہ ہی کیا ہے ؟؟؟؟ زیاد سے زیادہ پڑھا لکھا اور سیٹلڈ "

" ہے شہزاد۔ تم خوامخواہ

" جو بھی ہو"

انہوں نے چٹیا پیچھے کی اور ان سے دو ٹوک لہجے میں کہا

" میں ہرگز مہر کا رشتہ وہاں نہیں کروں گی "

کہنے کو وقت بڑی دھیمی رفتار سے گزرا تھا پر دن کب مہینوں سے ہوتے ہوئے سال بن گئے تھے، پتہ ہی نہیں چلا تھا۔

زیاد نیا کاروبار شروع کر چکا تھا۔ خود سے، اکیلے۔ مرسلین سے اسکا میل جول اور بات چیت بند تھی۔ قریباً دو سال ہونے کو آئے تھے لیکن اس جھگڑے کے بعد سے پھر وہ اکٹھے نہیں ہوئے تھے۔

اسکی ذاتی زندگی میں بھی بڑی تبدیلیاں آئی تھیں۔ وہ لڑکی جسکے نام کا چھلہ اس نے انگلی میں پہن رکھا تھا، اسکے دل میں گھر کرنے لگی تھی۔ وہ شائد اسے اچھی لگنے لگی تھی کہ اسکی زمہ داریاں اٹھانا اسے اچھا لگنے لگا تھا۔

"امی میرے لیئے رشتے دیکھ رہی ہیں ابرار"

مہر نے پریشانی سے اسے دیکھا تھا

آئے روز کوئی دیکھنے کے لیئے آیا ہوتا ہے۔ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا ابرار، میں"

کب تک بلاوجہ ہر رشتے کے لیئے انکار کرتی رہوں گی ؟؟؟ آج یا کل وہ مجھ پہ سختی

"کریں گی اور تب بازی میرے ہاتھ سے نکل جائے گی

"تم پریشان مت ہو"

"میں کیسے پریشان نا ہوں ابرار ؟؟؟؟"

اسے تو نیا کھیل مل گیا تھا۔

" ماہین کو بھیج دینا، تمہارے لیئے ایک تحفہ خریدا ہے "

" مجھے تحفے نہیں چاہیئے ہیں ابرار، مجھے تم چاہیئے ہو۔ صرف تم "

ماہین خوشی خوشی جاتی تھی۔ اسے اتنی محبت سے وہ بلاتا تھا، باتیں بتاتا تھا اور چیزیں سکھاتا تھا۔

" تم اتنے دن بعد آئی ہو، اب تو پچھلا سب بھول گئی ہوں گی ؟؟؟؟؟ "

"کیا کروں ابرار بھائی، آپی نے بھیجا ہی نہیں "

" تو خود آ جاتیں، تمہیں آپی کی اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے "

پہلے تو عہ سب دوکان تک محدود تھا۔ بند دروازوں کے پیچھے سلائی کی آڑ میں وہ اپنا کھیل کھیلتا تھا۔ پھر باہر نکلنے لگے۔ بائیک پہ ساتھ، پارک میں، کبھی آئس کریم کے بہانے۔

تم کہو گے اتنا کیا بچپنا۔ کیوں ؟؟؟؟ کیوں نہیں ؟؟؟؟؟ تب تک بچپن جب تک بچپن۔ کوئی میرے بچپن میں نقب لگاتا ہے تو یہ اسکا قصور ہے، میرے بچپن کا اس میں کیا دوش ؟؟؟؟؟؟؟

اس دن وہ اسے فلیٹ پہ لے گیا۔

تمہاری مہر آپی کی سالگرہ ہے، اسے سرپرائز دینا ہے تو میرے ساتھ تیاریاں کروا دو "

"

اس نے جھوٹ بولنا اس دن سیکھا۔

" اپنی دوست کے گھر جا رہی ہوں۔ اسکی سالگرہ ہے تو تیاریاں کرنی ہیں امی۔ "

ابرار نے جھوٹ موٹ لڑکی کی آواز نکال کر ماں کو رام کر لیا۔ وہ خوشی سے اچھلتی رہی۔

" ابرار بھائی آپ کتنے جینئیس ہیں "

اسکے لیئے تو ایڈونچر تھا۔ ایڈونچر تو خیر ابرار کے لیئے بھی تھا۔ وہ بچپن کی آخری حدوں کے اس پار نئے سفر کو تیار بچی۔

"تمہارے لیئے ایک سوٹ سینا ہے۔ اپنا ناپ دیدو مجھے، اچھا سا سلائی کر دوں گا" کہاں کا سرپرائز، کیسی تیاری۔

اس دن گھر واپسی پہ اس بچی نے اپنی شلوار پہ جگہ جگہ وہ خون کے دھبے دیکھے تھے۔ اور وہ چیچپا مائع۔ اس لمحے وہ پریشان ہوئی تھی۔ میں کہوں گا تب۔۔۔۔۔ تب زیادتی ہوئی۔ اور سب سے بڑی یہ کہ اس معصوم سے اسکا بچپن چھین لیا گیا۔

اس دن مسجد میں اس آدمی کا چہرہ دیکھتے ہی میں اسے پہچان گیا تھا۔ حالانکہ مجھے تو یہ گمان تک نہیں تھا کہ میری یادوں کے پٹارے میں ایک یاد وہ بھی ہے۔ اتنے سالوں میں وہ پل مجھے کبھی یاد نہیں آیا اور نا ہی اس ایک لمحے کے ہونے کی کوئی

بازگشت سنائی دی۔ لیکن اس دن، اس دن وہ چہرہ دیکھتے ہی وہ سب باہر آگیا۔ کسی آتش فشاں کی طرح۔

میں نو دس سال کا تھا۔ تیسری چوتھی میں پڑھتا تھا۔ قرآن پاک پڑھنے مسجد جاتا تھا۔ وہی جو اس عمر میں نوے فیصد بچوں کا معمول ہے۔ صبح صبح ماما کا اٹھانا سیپارہ دیکر، سر پہ ٹوپی اور جاؤ پڑھ کر آؤ۔ وہ آنا جانا بڑی مِٹی مِٹی سی یادیں ہیں پر وہ ایک یاد ---

اس گلی کے شروع شروع کے وہ مکانات اور ان میں سے ایک وہ۔ اونچے سے دروازے والا وہ گھر جسکی تین سیڑھیاں تھیں۔

ہاں وہ یاد آیا جب وہ چہرہ دیکھا۔ ہوبہو وہی۔ ہاں۔ اور وہ چہرہ، وہ آنکھیں، وہ چہرے پہ پھیلی مسکان سی۔ وہی۔ ہاں وہی۔

اب یاد آیا اس نے مجھے پکارا تھا، آواز دیکر، پیار سے، پچکار کر۔ تم دس سال کے بچے کو بلاؤ گے اس لہجے میں کہ جسے وہ محبت سمجھتا ہے، وہ مڑ کر نہیں دیکھے گا

؟؟؟؟ نہیں پلٹے گا کیا ؟؟؟؟؟ تمہاری طرف نہیں بڑھے گا ؟؟؟؟؟ جو جو کہو گے نہیں کرے گا ؟؟؟؟؟ ماں باپ نے جو بھی پٹی پڑھائی ہوگی، وہ نہیں بھولے گا ؟؟؟؟؟؟؟؟

مجھے یاد آیا اس ایک لمحے میں کہ میں نے مڑ کر دیکھا تھا، پلٹا بھی تھا، اس نے جو کہا کیا بھی تھا۔

گلی سنسان تھی۔ خاموش بالکل۔ بس وہ تھا گھر کی سیڑھی پہ بیٹھا۔ ایک بچے کو آواز دیتا ہوا۔ کہتا ہوا بات سنو۔ پھر اسے پیار سے پچکار کر، نرمی سے گود میں بٹھا کر گال پہ بوسہ دیتا ہوا۔ اس نادان ذہن پہ وہ یاد بناتا ہوا۔ ساری زندگی کے لیئے اس جسم پہ وہ لمس چھوڑتا ہوا۔

مجھے وہ سب یاد نہیں تھا۔ کسی نے کیسے چھوا، کیسے پکارا، مجھے نہیں یاد تھا۔ کبھی یاد نہیں آیا۔ کئی سال گزرے، مدتیں ہوئیں، کئی بار میں اس گلی سی گزرا، اسی گھر

کے پاس سے، کبھی، کبھی وہ یاد نہیں آئی۔ کبھی سوچا ہی نہیں کہ یہاں کچھ ہوا بھی تھا۔

،یاد تب آیا جب وہ چہرہ دوبارہ دیکھا۔ کوئی دس بارہ سال بعد۔ میرا یقین کرو گے تب تب وہ لمس دہکے۔ تب ان نشانوں میں آگ لگی جو اس نے چھوڑے تھے۔ تب خبر ہوئی کہ تب ہوا کیا تھا۔

" زیادتی "

تمہارے لیئے ایک لفظ ہے، سہنے والوں کے لیئے ایک دنیا۔ بس یہ نہیں ہے کہ کسی نے تمہاری عزت لوٹ لی تو زیادتی ہوئی۔ مجھ سے پوچھو تو کسی نے تمہاری اجازت کے بغیر تمہاری طرف دیکھا بھی تو زیادتی کی۔ چھونا اور میلا کرنا تو بہت دور کی بات، تمہاری اجازت کے بغیر تمہیں پکارنا بھی زیادتی ہے۔

،میں نے اس شخص کو دیکھا، اسکے ساتھ ایک بچہ تھا۔ یقیناً اسکا بیٹا۔ وہ اسے پکارتا اسے گود میں بٹھاتا، اسے چومتا تھا۔ وہ ویسے نہیں تھا جیسے تب تھا۔ میں نے سوچا

اس بچے کو بھی کوئی ویسے ہی کبھی پکارے گا، گود میں بٹھائے گا اور چوم لے گا

؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟

میں اب اس گلی سے نہیں گزر پاتا ہوں۔ اس گھر کے پاس سے گزرتے ہوئے میرا دل بیٹھتا ہے۔ میں اب بھی اس آدمی کو کہیں دیکھتا ہوں تو مجھے ڈر لگتا ہے۔ میں کانوں پہ ہاتھ رکھ لیتا ہوں کہ کہیں وہ مجھے آواز نا دے لے۔ میں آج بھی کسی چھوٹے بچے کو پیار سے گود میں اٹھانا چاہوں تو وہ لمحہ مجھے ڈرا دیتا ہے۔ وہ شخص میرے بچوں جیسے بچوں کے لیئے میری محبتوں کو داغدار کر گیا ہے۔ شائد ساری زندگی کے لیئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

چھٹا باب

(زہر)

گھر آتے ہی وہ ماں سے چھپ چھپا غسل خانے میں گھس گئی تھی۔ خود بھی نہا دھو، کپڑے بھی رگڑ رگڑ کر صاف کر کے چپکے سے چھت پہ ڈال آئی تھی۔ نیا جوڑا بدل کے وہ سونے کے لیئے لیٹ گئی لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ذہن عجب مخمصے میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ جو کچھ ہو رہا تھا وہ اسے سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ کسی کو بتائے کہ نہیں، بتانا چاہیئے یا نہیں، وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ ایک بار تو سوچا مہر سے بات کرے، اسکے پورشن تک گئی بھی تھی لیکن پھر لوٹ آئی۔ اگر مہر آپی کو برا لگ گیا تو ؟؟؟ کیا پتہ انہیں غصہ آگیا تو ؟؟؟؟ ابرار بھائی نے " " بھی منع کیا تھا۔

شام گئے اتار کر واپس آ رہی تھی تو ماں نے دیکھ لیا

" یہ یونیفارم کب دھویا تو نے ؟؟؟؟ "

" وہ امی--- دوپہر کو، کل چاہیئے ناں مجھے پہننا ہے، گندا ہو گیا تھا "

اتنی جلدی گندا بھی کر لیا ؟؟؟ ابھی صبح تو نیا پہن کر گئی تھی کہ واپسی پہ "

" دوست کے گھر جانا ہے ؟؟؟

اس نے لبوں پہ زبان پھیری

ہاں وہیں تو گندا ہوا، کیک گر گیا تھا، اسکا رنگ نکل گیا۔ کیا امی تھانیدار بنی ہوئی "

" ہیں

وہ سیدھی کمرے میں گھس گئی تھی۔

" مجھے امی کو بتانا چاہیئے کیا ؟؟؟؟ "

اس نے دیر رات تک سوچا۔

" مریم باجی---- "

رات کو وہ دونوں بہنیں سونے کے لیئے لیٹی تھیں۔ اس نے ہولے سے اسے پکارا۔ وہ غنودگی کے عالم میں تھی۔

"کیا ہے ؟؟؟؟ "

وہ آپی۔۔۔۔ اگر کسی وجہ کے بغیر ہمارے خون آ جائے تو۔۔۔۔ اسکا کیا مطلب ہوتا ہے۔۔۔۔"

مریم نے اسکی طرف پشت لیکر کروٹ بدل لی۔

" تم بڑی ہو رہی ہو، یہ نارمل بات ہے۔ سو جاؤ "

فہمیدہ سونیا کی دور پار کی کزن تھیں۔ اس دن وہ ان سے ملنے آئی ہوئی تھیں۔ کافی دیر بیٹھی رہیں اور یہاں وہاں کی باتیں ہوتی رہی تھیں۔ دوپہر کو مہر کالج سے گھر لوٹی تو وہ دونوں برآمدے میں ہی بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں۔

" یہ میری بیٹی ہے فہمیدہ "

وہ تو سلام کر کے اندر چلی گئی۔

" ماشاءاللہ بڑی پیاری ہے۔ کہیں رشتہ وغیرہ کیا ہے ؟؟؟ "

سونیا نے لمبی سانس بھری

"کہاں فہمیدہ۔ بہت پریشان ہوں اسے لیکر "

"کیا ہو گیا ؟؟؟؟ "

ارے سال ہونے کو آیا ہے کوئی اچھا رشتہ نہیں مل رہا۔ ہر بار بات اتنے اچھے " سے آگے چلتی ہے اور درمیان میں کوئی نا کوئی بھانجی مار دیتا ہے۔ کئی بار تو اچھے " بھلے رشتے اس نے خود منع کر دیئے۔ میں تو فہمیدہ سچ میں بڑی پریشان ہوں۔۔۔

فہمیدہ انکے نزدیک ہوئی تھیں۔

" میں تو کہوں گی کسی نے کچھ کروا رکھا ہے بچی پہ "

وہ سائیں سے رہ گئیں۔

" یا میرے اللہ "

اور نہیں تو کیا۔ وہ راشدہ تھی ناں، ارے وہ رؤوف صاحب کی بیوی، ہاں اسکی " بیٹیوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ پتہ چلا جادو کروایا ہوا تھا۔"

سونیا نے سینے پہ ہاتھ رکھ لیا۔

ایک عامل ہیں میرے جاننے والے۔ بڑے پہنچے ہوئے ہیں۔ انکے پاس لے " چلتی ہوں تمہیں، کسی نے ضرور تمہاری زندگی میں زہر شامل کیا ہے، وہ کوئی نا کوئی حل ضرور نکال لیں گے، تم دیکھنا ---- انکے پاس ہر زہر کا تریاق موجود ہے"------

---

وہ تیز نظر اور گہری رنگت والا پکی عمر کا آدمی تھا۔ آنکھوں میں قدرے بھر بھر کے سرمہ لگایا ہوا تھا۔ تیل سے چپڑی زلفیں جن پہ ٹوپی ٹکائی ہوئی تھی۔گلے میں یہ موٹے موٹے موتیوں کی مالا اور آٹھ کی آٹھ انگلیوں میں بڑے بڑے پتھر جڑی انگوٹھیاں۔

" میاں کیا کرتا ہے تیرا ؟؟؟؟؟ "

سونیا بتانے لگی تھیں۔

"گھر میں کون کون ہے ؟؟؟؟ "

" بس میں، شوہر ہیں اور بیٹی "

" بس ؟؟؟ "

جی ہمارے پورشن میں بس یہی، باقی سب کے اپنے علیحدہ پورشن ہیں "

اس نے نظروں ہی نظروں میں انہیں دیکھا۔

" باقیوں سے تیری نہیں بنتی ناں ؟؟؟؟ "

وہ چپ رہ گئی۔

" وہ--- دراصل---- "

وہ پیچھے کو ہو بیٹھا۔

،بچی کی قمیض دے جانا۔ ساتھ میں بکری کی سِری، دو کالی مرغیاں، سیندور "
ایک جوتا، اور پانچ ہزار روپے موکلوں کے لیئے خوراک چاہیئے۔ میں حساب کر کے
" بتاؤں گا

انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

مہر کی بات سن کر اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

" میں نہیں جا سکتی مہر آپی "

وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

" لیکن کیوں ؟؟؟ "

میرا ٹیسٹ ہے آپی، ابھی بہت سارا پڑھنا ہے۔ میں ابرار بھائی کی طرف گئی تو "
" وقت ضائع ہوگا

" تو کیا ہوا، میں تیار کروا دوں گی ٹیسٹ تمہیں "

" سوری آپی "

" دیکھو ماہین بہن نہیں میری پھر ؟؟؟ "

اس نے پیار سے آگے بڑھ کر اسکی ٹھوڑی کو ہاتھ لگایا تھا۔

" اسے ضرورت ہے یار پیسوں کی، پلیز اسے دے آؤ۔ دیکھو وہ تمہارے ساتھ کتنا اچھا سلوک کرتا ہے، مدد کرتا ہے، اتنی محبت سے پیش آتا ہے۔ اب جب اسے مدد کی ضرورت ہے تو تم ایسے مت کرو"

وہ بادل نخواستہ جانے کے لیئے راضی ہوئی تھی۔

" انہیں کہیئے گا مجھ سے باہر ہی پیسے پکڑ لیں، میں دوکان میں نہیں جاؤں گی۔ "

" امی نے منع کیا ہے اکیلے جانے سے۔

" ہاں میں اسے میسج کردوں گی "

امی نے واقعی منع کیا تھا۔

ہمارے معاشرے کی ماں یہ تو اول دن سے کرتی ہے۔

باہر اجنبی سے بات نہیں کرنی، کسی سے کچھ لیکر کھانا نہیں ہے۔ لڑکی ہو تو "

" لڑکوں سے، آدمیوں سے دور رہو

دور رہنے کی نصیحت کرتے ہیں، کیوں دور رہنا ہے، یہ نہیں بتاتیں۔ اور یہ بھی نہیں بتاتیں کہ جو کوئی اپنا سا ہو، کوئی ایسا جو اجنبی کی گنتی میں نہیں آتا ہو اور بہت نزدیک آتا ہو تو تب کہاں جانا ہے۔

دوکان پہ حسبِ معمول کوئی بھی نہیں تھا۔ اب تھا نہیں یا اسکے آنے کا سن کر اس نے خالی کروا لی تھی، یہ خدا ہی جانتا تھا۔ اس نے دروازے پہ دستک دی تو وہ باہر آیا۔ اسے دیکھ کر مسکرایا

" ماہین، اتنے دنوں بعد آئی ہو ؟؟؟؟ "

اس نے مٹھی میں دبے نوٹ اسکی طرف بڑھا دیئے تھے۔

" اندر نہیں آؤ گی ؟؟؟؟ "

" نہیں مجھے جانا ہے "

" ماہین پلیز آ جاؤ ناں "

اس نے اسکی کلائی تھام لی تھی۔

ایسے مت کرو۔ دیکھو مجھے بھی کچھ اچھا نہیں لگے گا۔ تھوڑی دیر تو رکو، مجھے تم "

" سے باتیں کرنی ہیں، آؤ تو۔۔۔۔

وہ ایک بار پھر اسکے جال میں آ گئی تھی۔

مہر نے بے یقینی سے ماں کو دیکھا تھا۔

" امی۔۔۔ آپ کک کیسے۔۔۔۔ "

وہ بنا جواب دیئے اپنے کام میں مصروف رہی تھیں۔ وہ انکے پاس آ بیٹھی۔

آپکی ان سے چڑ، نفرت اپنی جگہ لیکن اس میں اتنا آگے جانا ٹھیک نہیں ہے۔ "

"آپ تعویذ کروا رہی ہیں ان پہ ؟؟؟؟ یہ گناہ ہے امی

" اور وہ جو یہ گناہ کر چکی ہے ؟؟؟؟؟ "

وہ فوراً بولی تھیں۔

" آج میں گئی تھی ایک عامل کے پاس۔ فہمیدہ نے بتایا تھا مجھے کہ بہت پہنچا ہوا ہے، بڑا غیبی علم ہے اسکے پاس۔ اس نے بتایا ہے سب۔ کہتا ہے بی بی تمہارے ہی خاندان کی عورت ہے جس نے تم پہ جادو کروایا ہوا ہے۔ تمہارا رشتہ بھی اسی نے باندھ دیا ہے مہر "

وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

" امی ایسے کیسے۔۔۔۔ "

" ایسے ہی تو ہوتا ہے "

انہوں نے بات کاٹ دی

میں بھی کہوں اتنے سال ہو گئے، ایک بھی رشتہ ڈھنگ کا نہیں ملا۔ ہر بار کوئی نا کوئی بات نکل آتی ہے، یہ کام ہی سیدھا نہیں ہو رہا۔ اب سمجھی ہوں کہ سیدھا ہوتا بھی کیسے، اس زیریلی عورت نے دشمنی نکالی ہوئی ہے مجھ سے۔۔۔۔۔"

"لیکن وہ ایسا کیوں کروائیں گی بھلا ؟؟؟؟"

"کیوں نہیں کروا سکتی ؟؟؟ وہ خوش کب ہوئی ہے ہمیں دیکھ کر ؟؟؟ جلن کی ماری ہوئی، اول روز سے چڑتی ہے ہم سے۔ اس نے ہی کیا ہے۔ عامل صاحب نے بتایا کہ بڑا سخت جادو ہے۔"

مہر انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"اب تو دیکھنا، ایسا پلٹ وار کروں گی کہ اسکی سات نسلیں یاد رکھیں گی۔ جادوگرنی کہیں کی۔۔۔۔"

"ماہی کہاں ہے امی ؟؟؟؟"

مریم باورچی خانے میں پانی پینے کے لیئے آئی تھی۔ شہناز وہیں بیٹھی شام کے لیئے سبزی بنا رہی تھیں۔

" اپنی دوست کے گھر گئی ہے ہوم ورک کا پوچھنے "

" اسکا اپنی دوست کے گھر کچھ زیادہ ہی دل نہیں لگنے لگا ؟؟؟؟؟ "

پانی کی بوتل سے منہ لگا کر، غٹا غٹ پانی چڑھا کر اس نے بوتل واپس رکھی تھی۔

" نظر رکھیں لڑکی پہ، بڑی ہو رہی ہے "

انہوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا

اس دن مجھ سے پوچھ رہی تھی خون اور پتہ نہیں کیا کیا۔ کتنے سال کی ہے بھلا "

" یہ امی ؟ تیرہ ؟؟؟؟

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا

" ابھی سے پیریڈز ؟؟؟ "

انہوں نے لمبی سانس بھری

بات کیا کر بہن سے۔ یہی عمر ہے جب بہنوں کی ضرورت ہوتی ہے لڑکیوں کو۔ "
مجھ سے جھجھک جاتی ہے تبھی مجھ سے ذکر نہیں کیا۔ یونیفارم بھی خود ہی دھونے
" لگی ہے۔

اس نے ہنکارہ بھرا

"آتی ہے تو پوچھتی ہوں "

ہاں زرا آرام سے، پیار سے بات کرنا۔ ہر وقت زہریلی ناگنیں مت بنی رہا کرو "
" دونوں۔ بہنیں ہو، سلوک سے رہا کرو۔۔۔۔۔

" اچھا ناں "

اس نے بیزاری سے کہا تھا

" مجھے تم بہت اچھی لگنے لگی ہو ماہین۔ تمہیں پتہ ہے اسے محبت ہونا کہتے ہیں "

اس دن مہر نے اسے پھر سے کام کا کہہ کر ابرار کی طرف بھیج دیا تھا۔ وہی تحائف کا ادل بدل ہونا۔ وہی جو اتنے سالوں سے ہو رہا تھا۔ اسکے ہر بہانے کو مہر نے چٹکیوں میں اڑا دیا تھا۔

" تم مجھ سے دور کیوں بھاگ رہی ہو ماہی ؟؟؟؟ "

وہ اسے بہانے سے فلیٹ پہ لے آیا تھا۔

" میں تم سے دوری اختیار نہیں کر سکتا۔ کیوں کرتی ہو ایسے میرے ساتھ ؟؟؟ میری کوئی بات بری لگی ہے تو مجھے بتا دو، لیکن یوں بے رخی تو مت اختیار کرو، یہ جدائی کا زہر ہمارے رشتے میں مت گھولو ماہی "

"آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں ابرار بھائی "

اس نے آگے بڑھ کر اسکے دونوں ہاتھ تھام لیئے تھے۔

" مجھے خود بھی نہیں پتہ ماہی۔ میرا خود پہ اختیار نہیں رہا ہے۔ میں بس تمہارے بارے میں سوچتا رہتا ہوں ماہین۔ میں سچ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں "

اسے کھینچ کر وہ اپنے سینے سے لگا چکا تھا۔ وہ اسکے جسم میں دوڑتی توانیاں محسوس کر سکتی تھیں۔

"آپ مہر آپی سے محبت کرتے ہیں "

" میں بس تم سے محبت کرتا ہوں۔ "

اس نے ہولے سے اسکے چہرے کو ہاتھوں میں لیا۔

" تم بتاؤ، تمہیں میں اچھا نہیں لگتا ہوں ؟؟؟؟ "

"لگتے ہیں "

" پھر ؟؟؟؟ "

وہ چپ رہ گئی۔ اس نے نرمی سے اسکے چہرے پہ اپنے لبوں کے نشان چھوڑے تھے۔

پھر بس یہ کرو کہ بس تم مجھ سے محبت کرو۔ میں تمہیں بہت خوش رکھوں گا۔ "

" تم میری بن جاؤ۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ کتنے خوش رہیں گے پتہ ہے۔

وہ یقیناً اپنے آپے میں نہیں تھا۔

" مجھے اب گھر جانا ہے ابرار بھائی "

بہت دیر تک وہ اسے پاس بٹھائے باتیں کرتا رہا تھا۔ اس نے وقت دیکھا تو معلوم پڑا کہ بہت دیر ہو چکی تھی

" اتنی جلدی بھی کیا ہے، تھوڑی دیر تو بیٹھو "

" امی غصہ ہوتی ہیں۔ میں بس آدھے گھنٹے کا بول کر آئی تھی ان سے "

" تھوڑی دیر بس اور، میں تمہیں گھر چھوڑ دوں گا "

وہ نرمی سے بولا تھا۔

مریم آج کالج نہیں گئی تھی تو اسے واپس لینے کا مسئلہ نہیں تھا۔ زیاد دیر گئے آفس سے نکلا تھا۔ امی نے دو تین چیزیں لانے کا کہا تھا تو اسی لیئے سٹور پہ رک

گیا تھا۔ مطلوبہ سامان لیکر وہ نکلا تو اس نے اس بلڈنگ سے اس جوڑے کو نکلتے دیکھا تھا۔

" ماہین ؟؟؟؟؟ "

اس نے حیرانی سے سوچا۔ اسکے ساتھ وہ لڑکا تھا۔ زیاد اسے بھی پہچان چکا تھا۔ وہ انکے ہی محلے میں رہتا تھا اور درزی کا کام کرتا تھا۔ وہ اب اسکے ساتھ بائیک پہ بیٹھ چکی تھی۔ زیاد نے جلدی سے ہیلمٹ پہنا اور ان سے کچھ فاصلے پہ بائیک چلاتے پیچھا کرتا رہا تھا۔

اسکا شک صحیح تھا۔

وہ وہی تھے۔

انکی بائیک گھر سے کچھ دور رکی تو اس نے بھی بائیک اوٹ میں کر کے روک لی تھی۔ وہ باحیک سے اتر چکی تھی۔ اس لڑکے نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنے نزدیک کیا تھا۔ دور ہونے کی وجہ سے وہ انکی باتیں نہیں سن سکا تھا لیکن وہ منظر دیکھ لیا

تھا جسے دیکھ کر وہ سُن رہ گیا تھا۔ اسکے ہونٹوں پہ اپنے نشان چھوڑتا وہ بائیک سٹارٹ کر چکا تھا۔

زیاد نے بغور دیکھا۔

اسکے چہرے پہ وہ زہریلی مسکراہٹ تھی۔

ساتواں باب

(بازی)

اس عامل نے اپنے سر کو اِدھر اُدھر جھٹکے دیئے اور کچھ پڑھنے لگا۔ اسکے سامنے رکھی رکابی سے مسلسل دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس تکلیف دہ بُو کا منبع شاید وہی دھواں تھا۔

تجھ پہ جادو کیا گیا ہے، تیرے خاندان پہ۔ بڑا سخت جادو ہے، بہت زیادہ "
" خطرناک۔

اس نے آنکھوں کو پھیلا کر اسے اطلاع دی تھی۔

اسکا توڑ ہر کسی کے پاس نہیں ہوتا ہے، یہ بہت مشکل کام ہے، اسے کرنے "
"میں بڑی محنت لگتی ہے اور وقت۔۔۔

" میں سب کرنے کو تیار ہوں "

اس نے سپاٹ چہرے سے اسے دیکھا

پرانے زمانے کی کسی روح سے مدد لینی ہوگی۔ اسے بلائے گی تو وہ سب سے "
" پہلے تجھے ہی برباد کرے گی

وہ طنزیہ سا ہنسی تھی۔

برباد ۔۔۔۔۔ وہ تو آباد کو کیا جاتا ہے ناں۔ پہلے سے کھنڈر کو کوئی کیا کھنڈر بنائے "
"گا بابا جی

اس عامل نے پھر سے سر کو یہاں وہاں جھٹکے دیئے تھے۔ زیر لب کچھ پڑھتے ہوئے وہ مٹھی میں بھری مٹی کو اس رکابی میں ڈالتا جا رہا تھا۔

" میں سب کچھ کرنے کا تیار ہوں، روپیہ پیسہ وقت محنت کچھ بھی کہیں، میں کرنے کو تیار ہوں۔ بس میرے ہاتھ میرے دشمن کی گردن تک پہنچ جائیں۔ بس بازی پلٹ جائے۔۔۔۔ "

اس دن شام کو زیاد بنا بتائے آگیا تھا۔ شہناز بیگم نے تو جلدی سے کمرے میں بکھری چیزیں سمیٹی تھیں۔

" ارے بیٹا آؤ آؤ۔۔۔۔۔ "

وہ دروازے میں ہی کھڑا رہا

" ماہین ہے گھر پہ ؟؟؟؟ "

" ہاں، ابھی تو گئی ہے میرے پاس سے اٹھ کر "

اسے بلا دیں گی ؟ میں زرا باہر جا رہا تھا، سوچا اسے بھی ساتھ لے جاؤں، آئس "
"کریم کھلا لاتا ہوں

وہ ہنس پڑی تھیں۔

ہاں لے جاؤ ویسے بھی دوپہر سے سست سست سی ہو رہی ہے۔ باہر جائے "
"گی تو دل بہل جائے گا اسکا

مہر نے انہیں بغور دیکھا۔

وہ ان پرچیوں کو چمڑے کے ٹکڑوں میں سینے میں مصروف تھیں۔

"کیا کرتی رہتی ہیں سارا وقت ؟؟؟ کس معرکے پہ ہیں آپ ؟؟؟؟؟ "
" جب فتح ملے گی ناں تب یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ کونسی جنگ لڑ رہی تھی "

امی بلاوجہ فہمیدہ خالہ آپکو وہم میں ڈال گئی ہیں۔ مجھے تو یہ بابے بھی فراڈ لگتے "
ہیں۔ دو مہینے سے وہ بھی آپکو بیوقوف ہی بنا رہا ہے، بس پیسے بٹورنے میں لگا ہوا
"ہے

"چپ کرو"

انہوں نے اسے ڈپٹ کر کہا تھا

"پتہ ہے وہ کتنے پہنچے ہوئے عالم ہیں ؟ اتنا علم ہے انکے پاس۔ پہلے دن ہی مجھے دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ کس کس نے اور کیا کیا جادو کروایا گیا ہے مجھ پر۔ وہ وہ باتیں بتائی ہیں جو بس میں جانتی تھی یا میرا خدا۔ ہر ایک کے بارے میں منہ بھر کر بکواس نہیں کر دیتے، سمجھی ؟؟؟؟"

اس نے برا سا منہ بنایا تھا۔

جادو کو جادو ہی کاٹتا ہے میری معصوم بچی۔ جیسے زہر کا توڑ زہر ہے، ویسے ہی۔ "
انہوں نے تعویذ دیئے ہیں۔ دیکھنا اب یہ سارے گندے اثرات ہمارے گھر سے
" اسی جادوگرنی کے گھر منتقل ہو جائیں گے۔
وہ پھر سے اپنے کام میں لگ گئی تھیں۔

ماہین کی اسکے ساتھ آنے کی مرضی نہیں تھی لیکن امی نے اتنی زور سے ڈپٹا تھا کہ
اسے جانا پڑا۔
" وہ اتنی چاہت سے آیا ہے بد لحاظ لڑکی اور تیرے نخرے ہی ختم نہیں ہو رہے "
" میرا جانے کا دل نہیں کر رہا ناں "
دل نہیں کر رہا۔۔۔ اچھا، ابھی میں دیکھتی اپنی کسی دوست کے گھر جانا ہوتا تو تُو "
"کیسے دوڑی جاتی۔ چل اٹھ
بادل نخواستہ اسے تیار کروا کے اسکے ساتھ بھیجا تھا۔

وہ بھائی کی جگہ ہے بیٹا، اب تو دوہرا دوہرا رشتہ ہے۔ ایسے بے اعتنائی نہیں "

" برتتے ہیں۔

وہ اسے آئس کریم دلوا کر پارک میں لے آیا تھا۔ اب وہ کپ ہاتھ میں لیئے، اسکے پاس بینچ پہ بیٹھی تھی۔ زیاد نے اسے بغور دیکھا۔

" پڑھائی کیسی چل رہی ہے تمہاری ؟؟؟ "

" ٹھیک جا رہی ہے بھائی "

" اچھی بات ہے "

وہ پھر سے سر جھکا کر کھانے لگی تھی۔

" اچھا ایک بتاؤ گی سچ سچ ؟؟ "

" جی پوچھیں "

" دیکھو ماہین مجھ سے جھوٹ مت بولنا "

ماہین نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

" میں جھوٹ کیوں بولوں گی ؟؟؟؟؟ "

زیاد کچھ دیر خاموش رہا تھا۔

" اس درزی لڑکے کو کیسے جانتی ہو ؟؟؟؟؟؟ "

وہ ایک لمحے کو خاموش رہ گئی تھی۔ سارے جسم کا خون اسکے چہرے پہ آن رکا تھا۔

لمحوں میں وہ سرخ سے سیاہ پڑتی چلی گئی تھی۔

"ککک۔۔۔۔ کونسا ۔۔۔ کس کی بات کر رہے ہیں۔۔۔۔ زز۔۔۔ زیاد بھا۔۔۔۔ "

" میں نے کہا تھا سچ بولنا ماہین "

وہ سرد لہجے میں بول رہا تھا۔

" میں سچ ہی بول رہی ہوں "

اس نے بمشکل کہا تھا۔

" میں کسی درزی کو نہیں جانتی ہوں "

جواباً زیاد نے اپنا فون نکالا اور اسکے سامنے اکرہن کی تھی۔ وہاں اسکی اور ابرار کی تصویر تھی۔ وہ اسکا ہاتھ پکڑے کھڑا تھا۔ اگلی تصویر میں وہ اسکی دوکان میں داخل ہو رہی تھی۔ ایک تصویر میں وہ اسکے ساتھ پارک میں بیٹھی تھی۔

اب کی بار وہ ایسے دکھائی دینے لگی تھی جیسے کسی نے اسکے سارے جسم سے خون نچوڑ لیا ہو۔ وہ سکتے کی سی حالت میں بیٹھی رہ گئی تھی۔

" پھر سے پوچھ رہا ہوں ماہی، اس درزی لڑکے کو کیسے جانتی ہو ؟؟؟؟؟؟؟ "

مہر کے تو ہوش اڑ گئے تھے۔

آپی مجھے بچا لیں، وہ بہت غصے میں تھے۔ انہوں نے اگر کسی کو بتا دیا تو۔۔۔۔ "

"آپی پلیز۔۔۔۔

وہ روتے ہوئے اسکی منتیں کر رہی تھی اور اسے اپنی عزت کے لالے پڑ چکے تھے۔

ماہین پکڑی جاتی تو یقیناً وہ اسکا نام لیتی اور یوں اسکا سچ سب کے سامنے آ جاتا۔

زیاد ابرار تک پہنچ جاتا تب بھی بدنامی اسکی ہی ہوتی۔ ہر طرح سے وہی پھنستی تھی۔

" وہ بہت غصے میں تھے۔ مجھے اتنا ڈانٹا۔۔۔۔۔۔ "

" اچھا رونا تو بند کرو۔ میں کرتی ہوں کچھ۔ تم ابھی کسی سے کوئی بات نہیں کرنا "

" مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے آپی "

دہشت سے تو وہ خود بھی کانپ اٹھی تھی۔ یہ سارا معاملہ یوں بگڑ جائے گا یہ تو اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

اسی دن کالج سے واپسی پہ دوست کے گھر کا بہانہ بنا کر وہ ابرار کے پاس گئی تھی۔ ساری بات اسے بتائی تو اسے بھی طوطے اڑ گئے تھے۔ بات صرف آنکھ مٹکے تک رہتی تو اتنی بڑی نہیں تھی، لیکن جو کچھ وہ ماہین کے ساتھ کرتا آیا تھا اگر وہ سب کے سامنے آ جاتا تو وہ کہیں کا نہیں رہتا۔

" ہم اب کیا کریں ابرار "

وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔

" وہ بیوقوف لڑکی ہم دونوں کا نام لیکر ہماری عزت خراب کردے گی۔ "

" یہ تم زیاد سے کچھ زیادہ ہی فری نہیں ہو گئیں آج کل ؟؟؟؟؟ "

مریم نے اسے کڑے تیوروں سے دیکھا تھا۔

" آئے روز آؤٹنگ، آئس کریم، پزا شاپنگ، سچ بتانا تم فرمائشیں کرتی رہتی ہو ناں ان سے ؟؟؟؟؟؟ "

وہ ہولے سے نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔ امی نے گیری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

" ،مت کیا کرو، انکا کاروبار ویسے بھی ٹھیک نہیں چل رہا۔ خسارے میں جا رہا ہے پیسوں کی تو ویسے ہی ضرورت رہتی ہے انہیں "

" تو آپ منع کر دیا کریں۔ تب تو منہ میں زبان نہیں ہوتی آپ کے "

مریم نے غصے سے اسے دیکھا

" بدتمیز، تمیز نہیں ہے بڑی بہن سے بات کرنے کی ؟؟؟؟ "

ماہین رن فن کرتی کمرے سے نکل گئی تھی۔ وہ پیچھے بکتی جھکتی رہ گئی تھی۔

" کیوں لڑتی ہو بہن سے ؟؟؟؟ "

" اسے نہیں دیکھ رہیں کیسے بات بے بات چڑتی ہے، بلاوجہ غصہ کرتی ہے "

وہ مسکرا دیں

عمر ہے اسکی یہ، اس عمر میں یہی ہوتا ہے۔ اپنا نہیں یاد تجھے کیسی چڑچڑی "

" ہوئی رہتی تھی تو ان دنوں۔

وہ چپ رہ گئی۔

" بہن ہے بیٹا، اور وہ بھی چھوٹی۔ اسے بھی میں سمجھاؤں گی۔ "

" ایک راستہ ہے میرے پاس اس سب سے نکلنے کا مہر "

" وہ کیا ؟؟؟ "

ہم بھاگ چلتے ہیں یہاں سے۔ میرا ایک دوست ہے دوبئی میں، بہت عرصے "
" سے مجھے آنے کو کہہ رہا ہے، اسکے پاس چلے جائیں گے

مہر سارا راستہ اسکے اس مشورے کے بارے میں ہی سوچتی رہی تھی۔ گھر پہنچی تو امی بہت خوش تھیں۔

وہ جو پچھلے ہفتے آئے تھے ناں رشتے والے تجھے دیکھنے، ارے وہی جنکی لاہور میں "
" چار کوٹھیاں ہیں، انہوں نے ہاں کردی ہے

وہ پیر لٹکا کر چارپائی پہ بیٹھ گئی

لڑکا باہر جانے کا سوچ رہا ہے، اس کے جانے سے پہلے وہ شادی کا کہہ رہے "
ہیں۔ پھر دونوں کو اکٹھے بھیج دیں گے۔ وہ بتا رہی تھی وہاں بھی انکے گھر اور سٹور
" ہیں۔

وہ اسے خوشی خوشی بتا رہی تھیں۔

" ،اللہ مہر۔۔۔ کتنا اچھا ہوگا ناں "

وہ خاموش بیٹھی رہی۔

"میں تو کہتی ہوں پیر صاحب کے تعویذ کی برکت ہے۔ دیکھ کیسے سارے راستے آسان ہو گئے ہیں۔ کل جاؤں گی انکو سلام کر کے آؤں گی"

وہ اپنی کہتی جا رہی تھیں۔

"زیاد بھائی میری بات کا یقین کریں میرا ان سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ وہ اور آپی مہر، ان دونوں کی آپس میں دوستی ہے۔ وہ ان سے ملنے جاتی تھیں تو مجھے بھی ساتھ لے جاتی تھیں۔ انکی شاپ پہ بھی میں بس آپی کی چیزیں ہی پہنچانے جاتی تھی۔ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ مجھے بہن سمجھتے ہیں"

زیاد طنزیہ ہنسا

"بہنوں کے ساتھ کوئی بھی یوں سرعام وہ سب نہیں کرتا جو وہ کرتا ہے تمہارے ساتھ۔"

اس نے سخت نظروں سے اسے دیکھا

"اسے بھی دیکھ لوں گا میں اور مہر کو بھی۔ تب تک خبردار جو تم دوبارہ اسکے پاس گئیں۔ میں ٹانگیں توڑ دوں گا تمہاری۔ سمجھ گئیں ؟؟؟؟؟؟"

وہ واپسی پہ سارا راستہ دہشت سے کانپتی رہی تھی۔ گھر جا کر بھی سیدھا واش روم میں گھس گئی اور دیر تک وہیں بیٹھی روتی رہی تھی۔ ساری رات کروٹیں بدلتے گزر گئی اور صبح وہ بخار میں تپ رہی تھی۔ پیٹ میں جیسے گرہیں سی پڑ رہی تھیں۔ دن چڑھے امی اسے لیکر ڈاکٹر کے پاس آئی تھیں۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے، پیریڈز شروع ہو رہے ہیں تو اسی وجہ سے تکلیف ہے۔"

وہ کسی کو کچھ بتاتی تو کوئی جان پاتا

"پریشان مت رہا کرو، خوش رہا کرو۔ تم تو ماشاءاللہ اتنی پیاری سی لڑکی ہو۔ اب بڑی ہو گئی ہو، سمجھدار ہو جاؤ"

ہمارے معاشرے میں بڑا ہو جانا ہی تو سب سے بڑی پریشانی کی بات ہے۔

سونیا رات دیر تک اسکے پاس بیٹھی رہیں، اسے سمجھاتی رہیں۔ جسمانی تبدیلیوں کے بارے میں، وہ سب جو عمر کے ساتھ ساتھ تھا۔

اب اس بچی نے جانا تھا کہ ابرار نامی وہ شخص اسکے ساتھ کیا کیا کچھ کر چکا تھا۔

اردو ناول اور سٹوریز کی سب سے بڑی ویب سائٹ
www.urdunovelbank.com

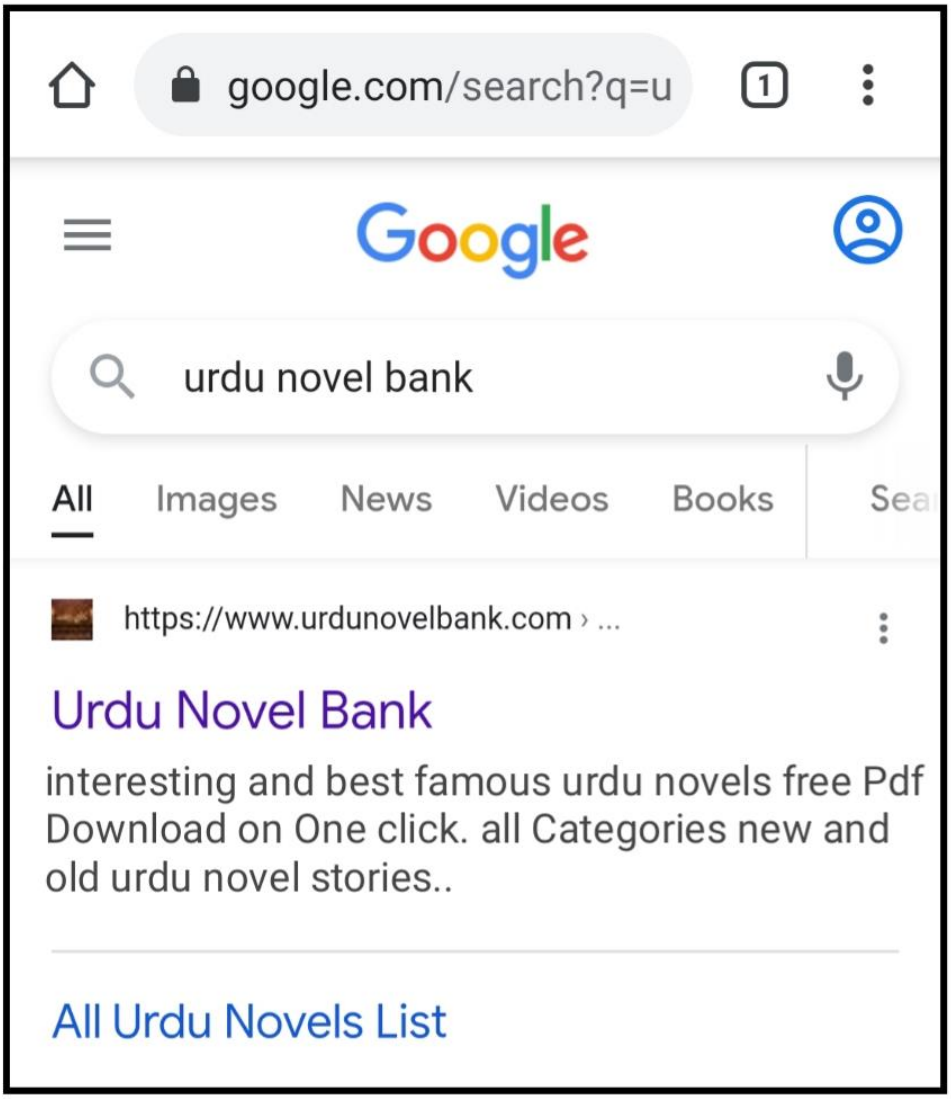

Urdu Novel Bank website
جہاں ملے آپ کو نئے اور اچھے معیاری ناول تمام کیٹگری میں۔۔۔
گوگل پر ٹائپ کریں
Urdu Novel Bank
اور ویب سائٹ سے ڈاؤنلوڈ کریں ہزاروں مکمل ناول مفت میں

مہر بیوقوف ہرگز نہیں تھی۔

وہ جانتی تھی ابرار نامی وہ شخص اسکا ایک حسین خواب تو ہو سکتا لیکن اسکی تعبیر ہمیشہ بھانک ہی رہنی تھی۔ وہ جانتی تھی اسکے ساتھ گھر سے بھاگ جانے کا مطلب بھی کیا تھا۔ اپنے ماں باپ سے ہمیشہ کے لیئے اپنا رشتہ ختم کرنا۔ وہ یہ بھی اچھے سے جانتی تھی کہ وہ اسے زندگی میں کیا دے سکتا تھا۔

اور یہ کہ وہ رشتہ اسکی زندگی میں کیا کیا کر سکتا تھا۔

اس شام وہ سارے فیصلے کر چکی تھی۔ موبائل سے سم نکال کر اس نے توڑ دی تھی۔ ابرار کی دی ہر شے اٹھا کر کوڑے کے ڈھیر پہ پھینک آئی تھی۔ رات میں امی کے پاس آئی تھی۔

" مجھے رشتہ منظور ہے امی، آپ ان لوگوں کو ہاں کہہ دیں "

وہ خوشی سے نہال ہو گئی

" ابو مجھے نئی سم لا دیں۔ اس نمبر پہ بہت رونگ نمبر آنے لگے ہیں "

ابرار نامی اس مہرے کو ایک ہی چال میں مات دیکر وہ بازی کا رخ اپنی جیت کی اور موڑ چکی تھی۔

" میری بات غور سے سننا ماہین۔ "

اس دن وہ چہل قدمی کے لیئے چھت پہ آئی تھی۔ زیاد اپنی چھت پہ ٹہل رہا تھا۔ اسے دیکھا تو منڈیر پھلانگتا اسکے پاس آگیا تھا۔

" تم کسی کو بھی اپنی جھوٹی سچی کہانی سنا کر رام کر سکتی ہو لیکن مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتیں۔ میں سب جانتا ہوں کہ اس لڑکے کے ساتھ تمہارا چکر تھا۔

" اس درزی لڑکے نے سب کچھ اگل دیا ہے کہ تم نے اور اس نے کیا کیا ہے

ماہین کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔

" زیاد بھائی میری بات------ "

" تم میری بات سنو "

اس نے اسکی بات کاٹ دی تھی۔

"مجھے دس لاکھ روپے چاہیئے ہیں"

وہ دھک سے رہ گئی تھی۔

"تین دن کے اندر اندر ورنہ تم جانتی ہو میں کیا کچھ کر سکتا ہوں۔"

وہ حق دق کھڑی رہ گئی تھی۔

بیوقوف زیاد بھی نہیں تھا۔

وہ اس دن آفس سے ہی آ رہا تھا۔ اسکا کاروبار مسلسل خسارے میں جا رہا تھا۔ اپنی ساری جمع پونجی، ادھار، ابو سے مدد کا سارا پیسہ اور اپنی ہر شے وہ اس کاروبار میں لگا چکا تھا۔ اس میں نقصان کا مطلب اسکا دیوالیہ۔ اور یہ اسے قبول نہیں تھا۔ اسی سوچ میں، اسی پریشانی میں گم وہ گھر کو آرہا تھا جب اس نے وہ سونے کی مرغی دیکھی تھی۔

اسے پتہ تھا وہ سچ بول رہی تھی اور یہ بھی کہ اسکی بیوقوفی کا فائدہ وہ دونوں اٹھا رہے تھے۔ مہر نے اسے اپنے لیئے قاصد بنا رکھا تھا اور ابرار نے ہوس مٹانے کا طریقہ۔

اس دن وہ ابرار کی دوکان پہ جا پہنچا تھا۔ اسے ڈرا دھمکا کر سچ نکلوانے میں اسے زرا سی بھی مشکل نہیں ہوئی تھی۔

" قسم کھا کر کہتا ہوں زیاد بھائی، اللہ کی قسم، میرے ماں باپ کی قسم میں نے اسکے ساتھ جبراً کچھ بھی نہیں کیا۔ بس ویسے ہی باہر باہر سے۔۔۔۔ میں نے اسکے ساتھ جو بھی کیا ہے، میرا جو بھی گناہ ہے وہ بڑا نہیں ہے۔ میں نے اسکے ساتھ زنا کیا اور نا ہی اسکا ریپ۔"

وہ جانتا تھا مہر اس سارے قصے سے لاعلم تھی۔ وہ یہ سب جانتی بھی تو کیا کر لیتی۔

وہ خود کیا کیا کر سکتا تھا، اب اسے یہ سوچنا تھا۔

مہر کو بلیک میل کر کے اسے کیا ملتا ؟ اسکے ماں باپ کی مالی حالت اسکے سامنے تھی۔ اسکا پول کھولنا بھی کوئی ایسا فائدہ مند نہیں تھا۔ رونا دھونا، مارپیٹ ہوتی اور بس قصہ ختم۔ دوسری طرف ابرار تھا، ایک غریب پھٹی جیب کا درزی، وہ اسے کیا دے سکتا تھا۔

وہ البتہ اسے بہت کچھ دے سکتی تھی۔ وہ جو اس کہانی کا سب سے کمزور اور سب سے بیوقوف کردار تھی۔

آٹھواں باب

(بے بس)

دس لاکھ روپے کا انتظام کرنا وہ بھی ایک تیرہ چودہ سال کی لڑکی کے لیئے ہرگز بھی آسان کام نہیں تھا۔ مانا کہ گھر میں روپے پیسے کی کمی نہیں تھی لیکن اسکے ہاتھ میں پاکٹ منی کے نام پہ چند سو روپے ہی رکھے جاتے تھے۔ جو چیز بھی چاہیئے ہوتی تھی اسکے لیئے ماں کو آڈر دیا جاتا اور وہ حاظر کر دیتیں۔

اب ماں کو دس لاکھ روپے چاہیئے ہیں کیسے کہتی ؟؟؟

وہ زیاد کی ہی منت سماجت کرنے پہنچ گئی تھی۔

" زیاد بھائی پلیز ایسے مت کریں، میں آپکے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں "

"تمہارے جوڑے گئے ہاتھ میرے کس کام کے ؟؟؟؟ "

وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی

" میں کہاں سے لاؤں اتنے پیسے ؟؟؟؟ "

اس نے اسے بغور دیکھا تھا۔

مجھے پتہ ہے شہناز چچی گھر پہ ایک معقول رقم کیش کی صورت میں رکھتی ہیں۔ "

" اور روز فیکٹری سے بھی تو بیگ آتا ہے۔ چیک بکس، اے ٹی ایم کارڈز

وہ زرا رکا

تمہیں سب پتہ ہے کہ کیسے انتظام ہوگا پیسوں کا لیکن تم بس بہانے بنا رہی "

ہو۔ ایک بات یاد رکھنا ماہین--- مجھے بہانے پسند نہیں ہیں۔ میں جا کر تمہارا سارا

"کچا چٹھا چچی کے سامنے کھول دوں گا، پھر کرتی رہنا اپنا انتظام

وہ دہل گئی تھی۔

زیاد بھائی ایسے مت کریں ناں پلیز۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ تو مہر "

"آپی-----

" دفعان ہو جاؤ یہاں سے---- "

وہ غرایا تھا۔

" وہ اچھی لڑکیاں نہیں ہوتی ہیں ماہین جو ایسے کاموں میں پڑتی ہیں "

مریم نے رسان سے اسے کہا تھا۔

" میری دوست تھی سکول میں، اسکی ایک لڑکے کے ساتھ دوستی تھی، وہ دونوں چھپ چھپ کر ملتے تھے۔ ایک دن پکڑے گئے۔ اسکے بھائی نے گلا گھونٹ کر مار دیا تھا اسے۔ "

وہ ساکت بیٹھی رہ گئی۔

" سارے میں تھو تھو ہوتی ہے وہ الگ۔ ماں باپ بہن بھائی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے ہیں۔ اپنی عزت اور زندگی تو داؤ پہ لگاتی ہی ہیں ساتھ میں پورے خاندان کو بھی سولی چڑھا دیتی ہیں۔ "

مریم نے آہستگی سے اسکے ہاتھ کو تھاما تھا۔

تم میری بہن ان سب باتوں سے دور رہو، تم ابھی بہت چھوٹی ہو، ان سب " سے بھی دور رہو جو ان کاموں میں پڑتے ہیں۔ کوئلے سے دوستی اپنے ہاتھ ہی "کالے کرتی ہے، اچھی لڑکیوں سے دوستی کرو۔ ٹھیک ہے ؟؟؟؟

" جی "

ہولے سے سر ہلا کر وہ سونے کے لیئے لیٹ گئی تھی۔

مہر کی شادی طے ہو چکی تھی۔

وہ ہر شے بھلائے اسی میں لگی ہوئی تھی۔ کئی بار ماہین نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ تو اسے دیکھتے ہی اور اور کاموں میں مصروف ہو جاتی تھی۔

" مہر آپی پلیز میری بات سنیں۔ "

اس دن وہ زبردستی اسکے کمرے۔ میں جا گھسی تھی۔

میری بات سنیں۔ مجھے مدد چاہیئے ہے۔ زیاد بھائی مجھے بلیک میل کر رہے ہیں "

"آپ کی وجہ سے۔

اس نے ماہین کو گھورا تھا۔

" میری وجہ سے کیوں ؟؟؟؟؟ "

"آپکو پتہ ہے کیوں "

" نہیں مجھے نہیں پتہ "

اس نے سینے پہ ہاتھ لیٹے اور کڑی نظروں سے اڈے دیکھا

مجھے نہیں پتہ تم کیا بات کر رہی ہو، میری وجہ سے تمہیں کوئی بھی بلیک میل "

"کیوں کرے گا ؟؟؟؟؟

" مہر آپی ؟؟؟؟؟ "

وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ چہرہ تو پہچان میں نہیں آ رہا تھا۔

"آپ اور ابرار کی۔۔۔۔۔ "

" شٹ اپ "

اس نے چلا کر کہا اور آگے بڑھ کر اسکے بال دبوچ لیئے تھے۔ درد کی شدت کی ماہین کی آنکھیں پانی سے بھر گئی تھیں۔

ایک بات کان کھول کر سن لو ماہی، میرے نام کے ساتھ کسی بھی گھٹیا انسان " کا نام جوڑا یا میری ذات پہ کوئی بھی بہتان باندھا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ "

" یہ غلط ہے آپی۔ "

وہ بے بس نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

آپکو بھی پتہ ہے کہ میں کس تعلق کی وجہ سے پھنس گئی ہوں۔ یہ سب آپکی وجہ " سے ہوا ہے آپکو بھی پتہ ہے۔ آپکا ابرار بھائی سے رشتہ، دوستی۔۔۔۔۔۔ میں سب کو بتا دوں گی"

مہر نے اسے دیکھا اور بال چھوڑ دیئے۔

جاؤ بتاؤ۔ لیکن ثبوت کہاں سے لاؤ گی کہ ایسا کوئی تعلق تھا ؟؟؟؟ ہوں ؟ ہے "
"کوئی گواہ ؟؟؟؟؟؟

وہ طنزیہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

سب کو بتاؤ میری جان لیکن اگر ثبوت نا دے سکیں تو قسم خدا کی جھوٹے بہتان "
" لگانے کی سزا کوڑوں کی صورت میں تمہیں میں دلواؤں گی یاد رکھنا

گھر بند تھا۔ دروازے پہ پڑا تالہ اسکا منہ چڑا رہا تھا۔ ماہین نے حیرانی سے دیکھا تھا۔

تبھی پڑوس کے گھر سے وہ عورت باہر نکلی۔

"آنٹی سنیں---- یہ لوگ کہاں گئے ہیں ؟؟؟؟ "

" یہ درزی کے گھر والے ؟ "

" جی "

وہ تو باہر چلے گئے ہیں۔ دوبئی شائد۔ چار پانچ دن تو ہو ہی گئے ہیں۔ خیریت تھی "

"؟؟؟؟؟

اسکے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی تھی۔ ٹانگوں سے جان نکل گئی تھی۔ وہ تھک کر وہیں چوکھٹ پہ بیٹھ گئی تھی۔

تو اس لیئے اتنے دھڑلے سے مہر اسے ثبوت لانے کا کہہ رہی تھی۔۔۔۔۔۔

تبھی اس نے موٹر سائیکل کی آواز سنی تھی۔ ہولے سے سر اٹھا کر اس نے دیکھا۔ زیاد اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

اور جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ اس بھنور میں پوری طرح سے پھنس چکی ہے اور ہاتھ پیر مارنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو اس نے مدد کے لیئے اسی شخص کی طرف دیکھا تھا جو مدد کی قیمت پہلے ہی طے کر چکا تھا۔

امی کی الماری کی چابی اسے اچھی طرح پتہ تھی کہ کہاں ملے گی۔ ماں نے کبھی ان سے کچھ چھپایا ہی نہیں تھا۔ گھر کی ایک ایک چیز سامنے تھی، اسے چوری کا ڈر ہی نہیں تھا۔

پھر بھی چوری ہو گئی تھی۔

کیوں ؟؟؟؟؟؟؟؟؟ اور کیسے ؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟

وہاں جہاں ماں تالا لگانا بھول گئی۔

ہوتا ہے اس عمر میں۔ لڑکے غصیل ہو جاتے ہیں اور لڑکیاں چڑچڑی۔ یا پھر " اندر ہی اندر خاموش۔ ہوتا ہے۔ جسمانی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ یہ بدلاؤ بھی آتے ہیں "

وجہ ڈھونڈ لی تھی انہوں نے لیکن اسے غیر اہم کہہ کر جانے دیا تھا۔

لڑکا دوست یاروں کا کہہ کر گھر سے گھنٹوں غائب ہے، کوئی نہیں ہوگا دوستوں کے ساتھ۔ لڑکی گھنٹوں فون لیئے کسی کونے میں چھپی ہوئی ہے، کوئی بات نہیں کام ہی ہوگا کوئی۔

کوئی بات نہیں "چہ چہ "

بات تو ہے اور وہ آنکھوں کے عین سامنے ہے، بس تم دیکھنا نہیں چاہتے۔ اور یہاں بات دوست یا فون کی نہیں ہے، تمہاری اپنی اولاد کی ہے۔ دوست ہے تو کون کہاں کیسے کب اور فون ہے تو کیا کیوں کیسے کس کا اور کب۔ سوال کرو گے تو جواب ملیں گے، جواب کریدو گے تو سچ ملے گا۔ جب تم خود سے ہی ایک مفروضہ گھڑ لیتے ہو اسے اسے مسئلے کا حل بتا کر سب کو خاموش کروا دیتے ہو، تب جھوٹ بہت خوش ہوتا ہے۔

تب جھوٹے پروان چڑھتے ہیں، اور دھوکے باز، اور غارت گر۔۔۔۔۔

زیاد نے وہ پوٹلی کھولی تھی۔

کچھ کیش تھا، ایک چیک، دو چوڑیاں، ایک انگوٹھی اور دو بالیاں۔۔۔

اسکے چہرے پہ مسکراہٹ تیر گئی تھی۔

" دیکھا میں نے کہا تھا ناں کہ تم کر لو گی "

وہ سر جھکا کر رہ گئی۔ زیاد اب نوٹ گننے میں لگا ہوا تھا۔

" اپنی صلاحیتوں پہ شک نہیں کیا کرتے چھوٹی۔ سمجھیں ؟؟؟؟ انسان اگر ٹھان لے تو ساری دنیا فتح کر سکتا ہے "

" زیاد بھائی اب پلیز کسی کو اس بارے میں مت بتائیے گا۔ اب تو میں نے سارے پیسوں کا انتظام بھی کر دیا ہے۔ پلیز اب جانے دیجئیے "

" بے فکر رہو "

اس نے بشاشت سے اسے دیکھا۔

تمہیں اب ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ بے "
" فکر ہو جاؤ

ماہین کو لگا اسکے سینے سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔

مہر کی مہندی تھی۔

اسکا اس خود غرض لڑکی کی خوشیوں میں شامل ہونے کا بالکل بھی دل نہیں کر رہا تھا لیکن مجبوری تھی۔

" میں کونسا خوشی سے جا رہی ہوں۔ اب دنیا داری کے لیئے اتنا تو کرنا پڑتا ہے "
شہناز نے اس سے کہا تھا۔

اب سونیا تو سچی ہو گئی ہے کہ سب کو بلایا ہے شادی پہ، ہم نا جا کر اب برے "
" بن جائیں گے۔

انہوں نے دونوں کو پچکارا

" اٹھ جاؤ چلو، جلدی سے تیار ہو جاؤ "

وہ تیار بھی ہو گئی تھی۔

جو ہو چکا سو ہو چکا۔ اس سب کے پیچھے وہ بہت اذیت جھیل چکی تھی۔ اس سب میں اپنا نقصان کروا کر اب وہ آگے بڑھ جانا چاہتی تھی۔ اس سب کو بھول کر ایک نئی شروعات کرنا چاہتی تھی۔

اسی لیئے اپنا پسندیدہ جوڑا پہن کر، پورے دل سے تیار ہوئی تھی۔ مریم سے میک اپ کروایا، جیولری، چوڑیاں، گجرے۔

وہ سب رنگ جو زندگی کی علامت تھے۔

،سارے فنکشن میں وہ ہنستی مسکراتی رہی تھی۔ مہدی اور پھولوں کے تھال سجاتی قہقہے لگاتی، سنگیت کے ساتھ جھومتی ہوئی، بھاپ اڑاتے کھانوں کو مزے لیکر کھاتی ہوئی، بھرپور زندگی جیتی ہوئی۔۔۔۔

مجھے اب مزید اس سب میں نہیں پڑنا ہے۔ مجھے اب ساری توجہ پڑھائی پہ دینی " ہے۔ ٹاپ کرنا ہے، آگے بڑھنا ہے۔ یہ جو میری غلطیاں تھیں، ان سے سیکھنا ہے لیکن انہیں گلے سے لگائے نہیں رہنا ہے "

پھول ہوا میں اڑا کر، ڈوپٹے کو لہراتی وہ خوشی سے کچھ گنگنا رہی تھی جب وہ اسے دلچسپی سے دیکھتا، اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔ وہ چونک گئی، قدم خود بخود رک گئے۔ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکرا رہا تھا۔

" مجھ سے چھت پہ ملو "

اسکے کان میں سرگوشی کرتا وہ مڑ گیا تھا۔

ماہین کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی یہ نہیں تھی کہ اس رات وہ اسکے بلانے پر، چھت پہ گئی تھی۔ اسکی غلطی تب بھی نہیں تھی جب وہ پہلی بار مہر کے کہنے پہ اکیلی ابرار کی دوکان پہ گئی تھی۔ اسکی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تب تھی

جب اس نے ماں سے سب سے پہلے جھوٹ بولا تھا۔ جب ماں کے "کیا ہوا بیٹا ؟ "پوچھنے پہ "کچھ نہیں امی "کہہ دیا تھا۔

" زیاد بھائی ؟؟؟؟؟؟ "

چھت پہ اندھیرا تھا۔ رات تو ہوتی ہی اندھیر ہے۔ تبھی تو اس سے پناہ مانگی گئی ہے۔

" میں یہاں ہوں گڑیا، ادھر آؤ "

اسے بتایا گیا تھا کہ کسی اجنبی کے ساتھ تنہا کہیں آنا جانا نہیں ہے۔ اسے یہ درس جاننے والوں کی بابت کیوں نہیں دیا گیا ؟؟؟؟؟ مائیں جب بیٹیوں کے لیئے نا محرم کی گنتی کرتی ہیں تو خاندان کے ہر ہر لڑکے کو بھائی کی کیٹیگری میں کیوں ڈالا جاتا ہے ؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟

" ڈر کیوں رہی ہو ؟؟؟؟ آؤ ناں۔۔۔۔ آ بھی جاؤ "

اس نے پہلے کبھی زیاد کو سگریٹ پیتے نہیں دیکھا تھا۔ اسے وہ دھواں اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ یوں دھواں اڑاتے اچھا نہیں لگ رہا تھا

" تم بہت پیاری لگ رہی ہو آج "

"آپ کو کک---- کچھ کام تھا مجھ سے زیاد بھائی ؟ "

نیچے لڑکیاں مسلسل ڈھولک پیٹ رہی تھیں، گیت گا رہی تھیں۔

"کام تو ہے---- "

"کیا ؟؟؟؟؟ "

وہ خواب ناک لہجے میں کہتا اسکے پاس چلا آیا۔

" وہ درزی لڑکا---- ابرار ؟ کیسا لگتا تھا تمہیں ؟؟؟؟؟ "

وہ چپ رہ گئی۔

" بتاؤ ناں، وہ کیسا لگتا تھا تمہیں ؟؟؟؟؟ "

وہ خانوش کھڑی رہی۔

" اچھا چلو یہ بتاؤ میں کیسا لگتا ہوں تمہیں ؟؟؟؟؟ "

" مجھے اب جانا چاہیئے زیاد بھائی۔ امی پریشان۔۔۔۔ "

زیاد نے اسے مضبوطی سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا۔

" میں بھی تو پریشان ہوں۔ میں نے بھی تو تمہیں پکارا ہے۔ میری پریشانیوں کو دور کرو، میری پکار کا جواب دو"

" زیاد بھائی مجھے چھوڑیں "

" اسے کہا تھا مجھے چھوڑو ؟؟؟ ہاں ؟ اسے کہا تھا ؟؟؟؟ اسکے ساتھ تو سرعام گلے ملتی تھیں، اسے روکا تھا؟"

" زیاد بھا۔۔۔۔ "

وہ اسکے ہونٹوں کو اپنے لبوں کے زور سے خاموش کروا چکا تھا۔ ماہی کو سانس لینا دوبھر ہو گیا تھا۔ اسکے ہاتھ اسکے جسم پہ رینگنے لگے تھے۔

یونہی، ایسے ہی کرتا تھا ناں وہ بھی ؟؟؟؟ مجھ سے کیوں ڈر رہی ہو ؟؟؟؟ میں تو "
" اپنا ہوں۔۔۔۔ رکو زرا۔۔۔۔ یہاں چھوا اس نے ؟؟؟؟ اور یہاں ؟؟؟؟؟؟؟؟

اس رات ماہین نے جان لیا تھا کہ وہ اب ساری زندگی کے لیئے اس دلدل میں پھنس چکی تھی۔

ایک کہاوت ہے کہ پرایا مارتا ہے تو دھوپ میں پھینکتا ہے، اپنا مارے بھی تو چھاؤں میں ڈالتا ہے۔ جس بدبخت کا یہ سنہری قول ہے کوئی اس سے پوچھے مردے کو دھوپ چھاؤں سے کیا مطلب؟؟؟؟؟

وہ اسکا اپنا، اسکی لاش کو تپتے اندھیرے کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ وہ جو پرایا تھا پھر بھی ڈر گیا تھا لیکن وہ اپنا۔۔۔۔۔۔

وہ ادھ موئی سی کھردے فرش پہ پڑی تھی۔ پیٹ میں پتھر چبھ رہے تھے۔ سارا وجود پسینے میں بھیگ چکا تھا۔ وہ جانے کیسے زندہ تھی۔

زیاد پاس ہی کھڑا کپڑے درست کر رہا تھا۔

وہ ویسے ہی بے حس پڑی رہی۔

وہ منڈیر کے پاس کھڑا سگریٹ پیتا رہا۔

پھر چلتا ہوا اسکے پاس آیا۔

تمہاری آواز بھی نکلی، ایک لفظ بھی کسی کی سمجھ میں آگیا تو یاد رکھنا میرا نام۔ "

تمہیں تو عبرتناک سزا دوں گا ہی، تمہاری بہن کی زندگی بھی جہنم بنے گی۔۔۔۔

" سمجھیں ؟؟؟؟؟؟

خوف ہے جو بہادر بناتا ہے انسان کو۔ ہر مشکل سے مشکل فیصلے کے پیچھے ڈر ہی ہوتا ہے۔ ہر راستے کے سہل ہو جانے کی وجہ بھی یہی ہے۔

خوف نے اٹھنے پہ مجبور کیا تھا۔ اسی خوف نے اسے طاقت بخشی کہ وہ سیڑھیاں اتری تھی۔ اسی خوف نے اسے واش روم میں بند کروایا تھا۔

امی اور مریم ابھی لوٹی نہیں تھیں۔ فنکشن ابھی جاری تھا۔ رات ابھی بہت باقی تھی۔ جب تک وہ لوٹیں، وہ کپڑے تبدیل کر کے کمرے میں جا چکی تھی۔

" ماہی۔۔۔۔۔ "

انہوں نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔ اندھیر کمرے میں وہ بستر پہ پڑی تھی۔

" بیٹا۔۔۔ کیا ہوا ؟؟؟؟ ماہین ؟؟؟؟؟؟ "

اس نے سر تک لحاف اوڑھ لیا تھا۔

" ماہین بچے کیا۔۔۔۔۔۔ "

" میں ٹھیک ہوں امی۔ بس مجھے سونا ہے۔ مجھے اب سونا ہے۔۔۔۔۔ "

وہ کھڑی رہ گئی تھیں۔ مریم بھی کھڑی بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

" میں بہت تھک گئی ہوں امی۔۔۔ مجھے، مجھے سونے دیں۔۔۔۔ "

وہ ماہین تو نہیں بول رہی تھی۔ وہ تو بے بسی تھی جو بس رو دینے کو تھی۔

نواں باب

(درندہ)

وقت کا کام تو اپنے مدار میں چکر کاٹتے رہنا تھا۔ سو وہ اپنے کام پہ کمربستہ تھا۔ سمے کا چکر گول گول گھومتا جا رہا تھا۔ دن رات، دن رات۔۔۔۔۔ زیاد نامی اس درندے کی فرمائشیں جاری تھیں۔

کبھی پیسہ، کبھی جسم، کبھی وقت، کبھی عزت۔

اسکے پاس بلیک میل کرنے کے لیئے مواد بڑھتا جا رہا تھا، اسکے جرائم بڑھتے جا رہے تھے، اسکی دھمکیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔

" اتنے پیسے چاہیئے ہیں۔۔۔۔ اس تاریخ تک۔۔۔۔ ورنہ تمہیں پتہ ہے۔۔۔۔ "

" فلاں وقت پہ فلاں جگہ پہنچ جانا ورنہ۔۔۔۔ "

اس ورنہ کا مطلب وہ اسے اچھے سے سمجھا چکا تھا۔

سارے خاندان، سارے شہر میں تمہاری عزت کا جنازہ نکل جائے گا۔ کوئی " تمہاری بات کا اعتبار نہیں کرے گا بیوقوف لڑکی۔ سب اس پہ یقین کریں گے جو انہیں میں دکھاؤں گا، ثبوت۔ اور تمہارے پاس اپنی بے گناہی کے لیئے کونسا ثبوت ہوگا ؟؟؟؟ میں تمہیں برباد کردوں گا اور ساتھ میں تمہارے خاندان کو بھی۔ وہ تمہاری بہن، مجھے پتہ ہے وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ ساری زندگی اسے ماتم ہی کرنا ہوگا، تم دیکھنا اگر تم نے زبان کھولنے کی کوشش کی تو میں------" تم کہو گے اسکی عقل کہاں گئی تھی، اسکی حسیات کا کیا ہوا---- ارے اسکے پاس کچھ بچا بھی تھا ؟؟؟ تم ایک ننھے ذہن کو ڈراؤ گے اور وہ ڈرے گا بھی نہیں؟؟؟؟؟؟؟؟

مہر شادی ہو کر باہر چلی گئی تھی۔

میری بیٹی کے ٹھاٹھ ہیں۔ ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھا ہوا ہے شوہر نے۔ مجال "
ہے جو اسے ہائے بھی کرنے دے۔ بس میری مہر کو خدا حسدوں سے بچائے، ان
"درندوں سے بچائیں جنہیں ہماری خوشیاں پسند نہیں آتیں

وہ تعویذ چمڑے کے ٹکڑوں میں لپیٹ لپیٹ کر، شہناز کے صحن میں دباتی رہتی تھیں۔

" خدا مجھے اور میرے خاندان کو اپنی امان میں رکھے "

دوسری طرف ابرار بھی واپس نہیں لوٹا تھا۔ اسے پتہ تھا واپس آتا تو پکڑا جاتا اور سزا کسے پسند ہے۔

بہزاد تو پہلے ہی بیوی بچوں سمیت گھر سے جا چکا تھا۔ کئی بار ماں باپ کو ساتھ چلنے کو کہا پر بڑے تایا نہیں مانے تھے۔

میرے باپ کی آخری نشانی ہے یہ گھر، میری ماں نے یہیں آخری سانس لی "
" تھی۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ تو جا، میں یہیں ٹھیک ہوں

شہزاد کی بھی شادی طے کردی گئی تھی۔

زیاد کا کاروبار اچھے سے چل رہا تھا۔ وہ خوب منافع کما رہا تھا۔ اور کیسے نا کماتا، مرحوم چچا کی کمائی جو دن رات اس میں شامل ہو رہی تھی۔ اسکے ہاتھ سونے کی مرغی لگی تھی جو اسکے کہنے پہ سونے کا بس ایک انڈہ نہیں دیتی تھی۔

" ماہی دس ہزار۔۔۔۔ ماہی ایک لاکھ۔۔۔۔ ماہی پانچ لاکھ۔۔۔ ماہی پچاس ہزار۔۔۔۔۔ "

ماہی ایک ایک کر کے اپنا ہر زیور اسکے دھڑ پہ اتار چکی تھی۔ آئے روز گھر میں شور مچا ہوتا

" ہائے اللہ میرا لاکٹ کہاں گیا۔۔۔۔ امی میری چوڑیاں۔۔۔۔ وہ سونے کے جھمکے۔۔۔۔۔ سارا کیش کہاں گیا۔۔۔۔ بیگ کہاں ہے میرا۔۔۔۔۔ "

ساری تجوریاں خالی کر کے وہ اس غارت گر کا پیٹ بھرنے میں لگی ہوئی تھی۔

وہ سچ کہتا تھا جب وہ کہتا تھا کہ تمہاری بہن مجھ سے محبت کرتی ہے۔ وہ سچا تھا جب وہ دعویٰ کرتا تھا کہ اسکے بغیر وہ نہیں رہ سکے گی۔

"آپکو زیاد بھائی کیسے لگتے ہیں آپی ؟؟؟؟؟ "

پہلے وہ شرما جاتی تھی۔ اب دھڑلے سے کہتی تھی۔

" بہت اچھے "

وہ اس سے بہت زیادہ بات نہیں کرتا تھا لیکن اسکے بولے چند لفظ ہی وہ ازبر کر لیتی تھی۔ اسکی کہی ہر بات اسے منہ زبانی یاد تھی۔

" تو خوش ہے ناں میری بچی ؟؟؟؟ "

امی وقتاً فوقتاً پوچھتی رہتی تھیں۔ وہ خوش کیوں نا ہوتی ؟؟؟؟ اسکی دوستیں اسے زیاد کے ساتھ رشک بھری نظروں سے دیکھتی تھیں۔ ان سب کی زبانوں پہ ان دونوں کی جوڑی کے لیئے ہمیشہ تعریفیں ہی رہی تھیں۔ سب سے بڑھ کر اسکا ساتھ اسے خوشی دیتا تھا۔ وہ اسکے ساتھ آرام میں رہتی تھی۔

دوسری طرف زیاد بھی جانتا تھا کہ اس سے خود کو محبت کیسے کروانی ہے۔ مریم ایک کھلی کتاب کی طرح تھی اور وہ اسکا ہر ورق پڑھ چکا تھا۔

کچھ تعریفی جملے--- کچھ زومعنی باتیں---- کچھ ستائشی نظریں---- کچھ تحائف---- کچھ ٹھنڈے لمس----- تھوڑی سی پرواہ-----

وہ اب کہیں بھی جانے والی نہیں تھیں۔

اس دن بھی وہ پیسے کے ساتھ ساتھ اسکی جسم کی بھوک بھی مٹا کر اپنے کمرے میں آئی تھی۔

بیمار سی، پریشان سی، بدحال سی، بے حال سی۔

رات میں اسکے سوکھے بالوں میں تیل لگاتے ہوئے ماں نے اسے کہا تھا۔

"جانے کس کی نظر کھا گئی میری بچی کو، اتنی ہنستی کھیلتی ہوا کرتی تھی، اب چپ لگ گئی ہے۔"

وہ بے حس سی بیٹھی رہ گئی۔

کیا ہوا ہے بیٹا ؟؟؟؟ بتاؤ تو ؟؟؟؟ میں ماں ہوں، مجھے نہیں بتائے گی تو کسے "

" بتائے گی ؟؟؟؟؟؟

اس نے آنکھیں موند کر سر انکی گود میں رکھا تھا۔ دور تک تیل کے بدنما داغ پھیلتے چلے گئے تھے۔

" !!!! ماہین بیٹا "

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ وہ پریشانی سے اسکے بال سہلانے لگیں۔

" کچھ تو بتاؤ، بولو بھی۔۔۔۔۔ "

وہ ایک بار پھر کچھ نہیں بول سکی تھی۔ بس انکی گود میں سر رکھے روتی رہی تھی۔ اندر کی ساری بھڑاس، اپنے وجود میں قید ساری بھاپ، ساری آگ آنسوؤں کے ذریعے بہاتی رہی تھی۔ اور وہ راز، اس درندے کے دیئے زخم اسکی دھمکی اور خوف کی چادر تلے چھپے رہ گئے تھے۔

امی کے بے حد اصرار پر وہ انکے ساتھ بازار آنے پہ راضی ہوئی تھی۔ پہلے تو اس نے ٹالنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن وہ اسکی کوئی بات سننے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

ہوتے رہیں گے ٹیسٹ، تم چلو میرے ساتھ۔ سارا دن یہی پڑھایاں ٹیسٹ الا "

" بلا۔ جی بہل جائے گا دو گھڑی کو، چلو بس---

مریم کو بھی کچھ چیزیں لینا تھیں۔ وہ تینوں ماں بیٹیاں بازار آ گئی تھیں۔ وہ تو زیادہ وقت خاموش ہی رہی تھی، امی اور مریم ہی باتیں کرتی رہی تھیں۔

" ارے مرسلین بیٹا تم---- "

اس کپڑے کی چھوٹی سی دوکان پہ وہ جانا پہچانا سا چہرہ تھا۔ وہ بھی انہیں پہچان گیا تھا۔

" ارے بیٹا تم نے تو گھر آنا ہی چھوڑ دیا۔ ایسی بھی کیا ناراضگی ؟؟؟ ہیں ؟؟؟ "

ان کے منع کرنے کے باوجود اس نے جوس منگوا لیا تھا۔

" بس آنٹی آپکے ہونیوالے داماد کی مہربانیاں ہیں یہ "

اس نے کن انکھیوں سے مریم کو دیکھا

وہی تو کہہ رہی ہوں، یاروں دوستوں میں لڑائیاں ہو جاتی ہیں، یوں انہیں دشمنی " میں بدل کر سالوں پالتے تو نہیں رہتے ہیں ناں۔ ہو گیا جھگڑا، ہو جاتا لیے، معافی "تلافی کرتے اور بات ختم

" وہ بات ختم کرنے کے موڈ میں نہیں ہے آنٹی "

اور ہم سب کا کیا ؟؟؟؟ ہم اتنا یاد کرتے ہیں تمہیں، اسکا کیا ؟؟؟ ہیں ؟؟؟؟ "

" اسکے پیچھے ہم سے بھی ناطہ توڑ لیا۔۔۔

اس سے گھر آنے کا وعدہ لیکر ہی وہ دوکان سے اٹھی تھیں۔

وقت تھوڑا اور آگے کی اور بڑھا تھا۔

اسکی زندگی وہیں اٹک کر رہ گئی تھی۔ زیاد کی وہی فرمائشیں تھیں۔ گھر میں سب ویسا ہی تھا۔ دو ہفتے بعد اسکی سولہویں سالگرہ تھی اور اب اسے وہ سب ختم کرنا تھا۔ اتنے سالوں کی اذیت سہنے کے بعد اب اسکے اندر برداشت ختم ہونے لگی تھی۔ اب زیاد پہ لٹانے کے لیئے پیسہ بچا تھا اور نا ہی عزت۔ اب وہ سنجیدگی سے اس سے پیچھا چھڑوانے کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔ کوئی راستہ جو اسے اس سے دور لے جائے اور اس دن وہ اسے مل گیا تھا۔

مرسلین کبھی کبھار گھر چکر لگا لیتا تھا۔ ایک بار بیوی کے ساتھ بھی آیا تھا۔ اس دن بہت خوش تھا۔ شادی کے تیرہ سال بعد خدا نے انکی سن لی تھی۔ رابعہ امید سے تھی۔ امی نے دونوں میاں بیوی کو کھانے پہ روک لیا تھا۔

"زیاد میرا سب سے اچھا دوست ہوا کرتا تھا۔ میں اسکی اور وہ میری ہر بات مانتا تھا۔ یہ جھگڑا تو بہت ہی معمولی بات پہ ہوا آنٹی، اس سے زیادہ بڑی بڑی باتوں پہ ہم لڑے اور پھر خود ہی مان بھی گئے۔"

اس کے ہوتے ہوتے امی نے بڑے تایا اور زیاد کو بلوایا تھا۔

خوشی کا موقع ہے۔ تم دونوں میرے لیئے بیٹوں جیسے ہو، اب مجھے ماں جیسا "
" سمجھتے ہو تو ختم کرو یہ ناراضگی اور بس صلح کرو

اب جیسے بھی ہوئی، صلح ہو گئی۔ ہاتھ ملائے،گلے ملے اور انکے منہ کو سی رنجشیں بھلا بھی دیں۔

ماہین نے لمبی سانس بھری اور ساری ہمت جمع کی تھی۔ مرسلین اسکے سامنے بیٹھا بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"کہو گڑیا کیا مدد کر سکتا ہوں میں تمہاری ؟؟؟؟ "

اس نے انگلیاں مڑوڑتے ہوئے الفاظ جمع کرنا شروع کیئے تھے۔

"گھبراؤ مت، مجھے اپنا بھائی سمجھو۔ بتاؤ کیا پریشانی ہے "

اور اس نے ہولے ہولے اسے ساری بپتا کہہ ڈالی تھی۔ مہر سے لیکر ابرار اور پھر زیاد تک۔ ہر فرمائش، زیادتی اور بلیک میلنگ۔ ہر گھناؤنی چال اور بیوقوفی۔

وہ خاموشی سے سنتا رہا تھا یہاں تک کہ وہ اپنی کہہ کر، تھک کر خاموش ہو گئی تھی۔

" تم پریشان مت ہو۔ مجھ پہ بھروسہ رکھو، میں سب ٹھیک کردوں گا بیٹا "

زیاد خوشی خوشی گھر لوٹا تھا۔

کاروبار میں اچھا منافع ہوا تھا۔ پچھلے ماہ ماہین سے جو دو لاکھ لیکر کاروبار میں لگائے تھے، انکا پھل آج ملا تھا۔ ایک بڑی اسامی اسکے ساتھ پارٹنرشپ کے لیئے تیار ہو چکی تھی۔

بائیک کھڑی کر کے وہ اندر آیا تو برآمدے میں ٹھٹھک کر رکا۔ مرسلین کی آوازیں باہر تک آ رہی تھیں۔ وہ اندر داخل ہوا تو اسے دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا تھا۔

" مرسلین۔۔۔۔۔ "

ابو اپنی جگہ سے اٹھے تھے اور اسکی طرف بڑھے۔ اس نے اچھنبے سے انہیں دیکھا۔ بنا کچھ کہے انہوں نے اسکے منہ پر تھپڑ دے مارا تھا۔ گال پہ ہاتھ رکھے وہ بے یقین کھڑا رہ گیا۔

" بے غیرت۔۔۔۔۔ بے حیا۔۔۔۔ "

اس نے کن انکھیوں سے مرسلین کو دیکھا تھا۔ وہ مسکراہٹ دبائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ نظریں جو بہت کچھ جتا رہی تھیں۔ وہ عبارت وہ پڑھ چکا تھا۔

" دیکھ سالے، کیسا بدلہ لیا "

اس نے ماں کی طرف دیکھا۔ وہ بے اعتبار نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ وہ جب اس سے گلے ملا تھا تو اسکا مطلب بس گلے لگنا تھا۔ زبان سے کہہ دیا تھا کہ سب ٹھیک ہے تو وہ بس کھوکھلے لفظ ہی تھے۔ اس سے دشمنی جو مرسلین کے دل میں پنپ رہی تھی، وہ ختم نہیں ہو سکی تھی۔

میرا لاکھوں کا نقصان کروا کر خود عیاشیاں کر رہا ہے، اب سمجھا یہ اتنی رقم کہاں " سے آتی تھی۔ حرامزادہ "

اس کے ہاتھ زیاد سے بدلہ لینے کا سنہری موقع لگا تھا، وہ آخر اسے کیسے جانے دیتا۔

وہ جھوٹ بول رہی ہے امی۔ میں نے اسکے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ یہ " سراسر جھوٹ ہے "

اسے پتہ تھا وہ مکر جائے گا تبھی اس نے وہ دوسری چال بھی سوچ رکھی تھی۔

بلائیں اس بچی کو، وہی گواہی دے گی کہ اس نے کیا کیا ہے اسکے ساتھ۔ بلائیں " ماہین کو "

وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

بڑے تایا، تائی امی، شہناز بیگم، مرسلین، وہ سب وہیں موجود تھے۔ زیاد ایک طرف کھڑا تھا۔

" بولو بیٹا، وہ سب سچ سچ انہیں بھی بتاؤ جو کل آپ نے مجھے بتایا تھا "

مرسلین نے نرمی سے کہا تھا۔ اسکے پاس بیٹھی تائی امی نے اسکے ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیا تھا۔ ماہین نے سر اٹھایا۔ سامنے زیاد کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ایک ،ہاتھ میں فون پکڑے، دوسرے ہاتھ کی تیسری انگلی میں پڑی انگوٹھی کو گھماتا ہوا اسے بغور دیکھتا ہوا۔

" بولو بیٹا، بتاؤ ان سب کو کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے "

اس نے کرب سے آنکھیں موند لی تھیں۔

" وہ جھوٹ نہیں بول رہے "

وہ بمشکل بول پائی تھی

" مرسلین جھوٹ بول رہے ہیں۔ "

" ماہین تت۔۔۔ تم کیوں "

یہ مجھے بہت دنوں سے تنگ کر رہے ہیں۔ انہیں پیسوں کی ضرورت ہے اس لیئے یہ مجھ سے مدد کرنے کے لیئے کہہ رہے تھے۔ انکا کہنا تھا کہ اگر میں نے پیسے نہیں دیئے تو یہ مجھے خاندان بھر کے سامنے بدنام کردیں گے۔ یہ سارا پلان مرسلین بھائی کا ہی تھا"

ایک فاتحانہ مسکراہٹ زیاد کے چہرے پہ تیر گئی تھی۔

اس دن جب وہ مرسلین سے مل کر گھر لوٹی تھی تو اسکا ذہن ہلکا پھلکا ہو چکا تھا۔ اپنا دکھ کسی کے ساتھ بانٹ کر، اپنی بھڑاس نکال کر اب وہ پرسکون ہو چکی تھی۔ مرسلین نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسکی مدد ضرور کرے گا۔ اس نے یہ بھی وعدہ لیا تھا کہ وہ اسکا راز اپنے تک ہی رکھے گا اور زیاد نامی درندے سے بچانے کے لیئے کوئی بہتر لائحہ عمل تیار کرے گا۔

اسی شام زیاد آن پہنچا تھا۔

" چھت پہ آؤ "

وہ گھسیٹتا ہوا اسے اوپر لے گیا۔ امی باورچی خانے میں تھیں اور مریم سوئی پڑی تھی۔

" تم مرسلین سے ملی ہو ؟؟؟؟ "

وہ دھک سے رہ گئی۔

" تمہیں کیا لگا مجھے پتہ نہیں چلے گا ؟؟؟ میں یہ خبر نہیں رکھوں گا کہ تم میرے پیچھے کیا کرتی پھرتی ہو ؟؟؟ تمہیں لگتا ہے میں بیوقوف ہوں ؟؟؟؟؟ "

وہ سناٹے میں آ گئی تھی۔ زیاد جیسے انسان کے لیئے کسی سے کچھ بھی اگلوانا ہرگز مشکل نہیں تھا اور مرسلین کی دوکان پہ تو اسکے کئی بھیدی تھے۔

" تمہیں پتہ ہے کامیاب بزنس کیسے کیا جاتا ہے ؟؟؟؟؟ خود کو کامیاب بنانے کے لیئے ساری محنت اپنی ذات کو مضبوط بنانے پہ صرف نہیں کی جاتی بلکہ اپنی

مخالفین کو کمزور بنانے پہ بھی جدوجہد کی جاتی ہے۔ وہ دیوالیہ اس لیئے ہوا کہ میں " نے اسکے اردگرد لوگوں کو خرید لیا۔

وہ زرا رکا تھا

اور تم برباد تب ہو گی جب تمہاری بہن اور تمہاری ماں برباد ہوں گی۔ تم نے چل " دی ہے اپنی بازی، اب دیکھو میں کیا کرتا ہوں "

اس نے انگوٹھی اتاری اور جیب سے فون نکال کر وہ ویڈیو آن کی۔

" دیکھتی جاؤ میں کیا کرنے والا ہوں "

وہ سیڑھیوں کیطرف بھاگا تو ماہین کا سکتہ ٹوٹا تھا۔ وہ اسکے پیروں سے جا لپٹی تھی۔

" زیاد بھائی نہیں پلیز----- پلیز----- "

" دفع ہو جاؤ "

اس نے اسے ٹھوکر ماری اور خود سے جدا کرنا چاہا لیکن وہ اسکی ٹانگ سے چپکی رہی تھی۔

مجھے معاف کردیں۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ بھائی پلیز، آپ جو کہیں گے میں "
"کروں گی۔ پلیز زیاد بھائی۔۔۔

اور اب۔۔۔۔

سب کے سامنے وہ، وہ سب کر چکی تھی جو کچھ بھی اس نے کرنے کو کہا تھا۔

دسواں باب

(قیامت)

مرسلین جا چکا تھا۔

ماہین سر جھکائے بیٹھی، گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھتی بس ایک ہی بات سوچ رہی تھی۔ وہ ہمیشہ کے لیئے اس شخص کے چنگل میں پھنس چکی تھی اور اس سے

فرار کی کوئی بھی صورت ممکن نہیں تھی۔ امی اور مریم ابھی تک سکتے کی سی کیفیت میں تھیں۔ تائی امی کا ہاتھ ابھی تک اسکے کندھے پہ تھا۔

زیاد نے باری باری سب کی طرف دیکھا اور ہولے سے کھنکارا تھا۔

" مجھے نہیں پتہ مرسلین اور ماہی کے درمیان کیا بات ہوئی ہے اور اسکے دماغ میں یہ اختراع کیسے پیدا ہوئی ہے، مجھے یہ سب جاننے میں کوئی دلچسپی بھی نہیں ہے امی۔ میں بس ایک بات جانتا ہوں "

وہ زرا رکا

" میں دوسروں کی گندگی صاف کرتے کرتے تھک گیا ہوں "

سب نے حیرانی سے اسکی طرف دیکھا۔

"کہنا کیا چاہتے ہو زیاد ؟؟؟؟ "

اس نے بغور باپ کی طرف دیکھا اور پھر چچی کی طرف۔

" معاف کیجیئے گا چچی لیکن اس سب کی زمہ دار آپکی بیٹی ماہین ہی ہے "

،ماہین نے تڑپ کر اسکی طرف دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ جتاتی ہوئی نظریں پرائی سی آنکھیں، ظالم کی سی آنکھیں۔

یہ جانے کب ان غلط کاموں میں پڑ گئی چچی اور آپ سب کی نظروں میں دھول" " جھونکنے لگی

" زیاد بھائی۔۔۔۔۔ "

وہ رکا نہیں تھا۔

وہ درزی لڑکا ابرار، سارا محلہ گواہ ہے کہ یہ اسکی دوکان پہ اکثر جاتی تھی اور وہ " " بھی تب جب وہاں کوئی بھی نہیں ہوتا تھا۔ اردگرد کسی سے بھی پوچھ لیں۔۔۔۔

وہ سکتے کی سی حالت میں سن رہی تھیں۔ تایا ابو نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا

"کیا بکواس کر رہے ہو ؟؟؟؟ "

" ابو میرے پاس ثبوت ہیں "

ماہین کا دل حلق میں اٹک کر رہ گیا۔ اسکے قدموں تلے سے زمین کھسک گئی تھی جب اس نے زیاد کو فون باپ کو تھماتے دیکھا تھا۔

" میں نے اسے بہت سمجھایا، بہت بار پیار سے غصے سے لیکن یہ اسکے جال میں پھنس چکی تھی۔ یہ تو چند تصویریں ہیں ابو، اس خبیث لڑکے کے پاس ایسی لاکھوں ہیں جن سے وہ اسے بلیک میل کرتا رہا ہے۔ میں نے اسے دھمکایا تو الٹا وہ مجھے دھمکیاں دینے لگا اور ان ویڈیوز کے بدلے مجھ سے بھی پیسے مانگے۔ "

وہاں موجود ہر شخص صدمے میں تھا۔

" میں اب مزید اس راز کو راز نہیں رکھ سکتا تھا چچی، اب اس کیچڑ سے اٹھتے چھینٹے میرے کردار کو بھی گندہ کر رہے ہیں۔ مجھے معاف کیجیئے گا "

اس نے انگلی سے وہ انگوٹھی اتار کر وہیں پاس کرسی پہ رکھ دی تھی۔ مریم اسے دیکھ کر رہ گئی۔

قیامت برپا ہو چکی تھی۔ ان سب کے چیتھڑے اڑ چکے تھے۔

وہ ماہین کے تابوت میں آخری کیل تھی جو اس نے ٹھونک دی تھی۔ پہلے وہ اسکے لیئے سونے کی مرغی ضرور رہی تھی لیکن اب وہ ایک بم بن چکی تھی جو کسی بھی وقت اس پہ پھٹ سکتا تھا۔ اسے وہ سب کچھ دے چکی تھی یہ وہ جانتا تھا۔ اسکے جسم سے وہ اکتا چکا تھا اور اسکی ساری دولت وہ ہتھیا چکا تھا۔ اب وہ اسکے کسی کام کی نہیں رہی تھی۔

" شہہ مات "

وہ ساری بازی اپنے نام کر چکا تھا۔ ساری بساط اسی پہ الٹا کر وہ فاتح بن چکا تھا۔ وہ سارے ثبوت اس نے صحیح وقت پہ صحیح طریقے سے استعمال کیئے اور وہ آپوں آپ مجرم بن گئی تھی۔

" امی میں نے کچھ نہیں کیا، امی آپ تو میرا اعتبار کریں گی ناں۔۔۔۔ "

وہ ماں کو بڑے مان سے دیکھ رہی تھی۔ وہ ماں جسے اس پہ بڑا مان تھا۔ مان کا ہی تو تعلق تھا جو ماں بیٹی کو جوڑتا تھا، اب وہ مان نہیں بچا تھا تو شائد وہ تعلق بھی ایسا مضبوط نہیں رہا تھا۔

وہ ماں کی گود میں سر رکھے ہولے ہولے اپنی ساری سچائی بتاتی رہی تھی۔ مریم ، بھی وہیں بیٹھی خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ آنسوؤں سے تربتر چہرے سے رُندھی ہوئی آواز میں اپنی ساری کتھا سناتی رہی اور پھر تھک کر خاموش ہو گئی تھی۔ انہوں نے جھک کر ہولے سے اسکے ماتھے کو چوما تھا۔ اسکے بالوں کو سہلایا تھا۔

" میں ایک بدنصیب عورت اور ایک بری ماں ہوں میری بچی۔ "

انہوں نے گہری سانس بھری تھی۔

سو جا، رات بہت ہو گئی ہے اور تو بہت تھکی ہوئی ہے۔ سو جا میری بیٹی۔۔۔۔ "

"

مریم بہت دیر تک بیٹھی اسے دیکھتی رہی تھی۔

وہ ماں کی گود میں سر رکھے رکھے سو گئی تھی۔ اسکے بالوں میں انگلیاں چلاتی امی بھی آنکھیں موند چکی تھیں۔ ایک وہ تھی جو جاگتی آنکھوں سے بیٹھی رہ گئی تھی۔

خاموش۔۔۔۔۔

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا محسوس کر رہی ہے۔ اسے اپنی چھوٹی بہن پہ زیادہ رحم آ رہا تھا یا خود پہ۔ اسے اس پہ غصہ تھا یا اپنی قسمت پہ۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا وہ رنجیدہ تھی، تھی تو کیوں تھی۔ اس اداسی کا سبب کیا تھا۔ اس کی بہن پہ ٹوٹی قیامت یا اسکی اپنی زات پہ۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس بات کی تکلیف زیادہ تھی کہ اسکی بہن بے آبرو ہوئی تھی یا اس بات کی کہ اسکی عزت کا لٹیرا اسکی محبت تھا۔

وہ بس خاموش بیٹھی اسے دیکھتی رہی تھی۔

پھر ہولے سے اٹھی اور بستر سے اتر گئی۔ وہ دونوں ماں بیٹیاں سوئی پڑی تھیں۔ کمرے کی لائٹ بند کر کے، دروازہ ہولے سے بند کر کے وہ باہر نکل آئی تھی۔ باہر اندھیرا تھا۔ سیاہ آسمان پہ ٹمٹماتے تاروں کی ناکافی روشنی میں وہ رات اپنے دوسرے پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ بہت دیر تک صحن میں کھڑی اندھیروں کو کھوجتی رہی اور پھر تھک کر فرش پہ بیٹھتی چلی گئی تھی۔

آنسوؤں کا سیلاب ہر باڑ پار کر گیا تھا۔

"کیوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "

منہ پہ ہاتھ رکھ کر، سسکیوں کا گلا گھونٹتی، سر جھکائے، زمین پہ جھکی وہ بلک بلک کر روتی رہی تھی۔

اب وہ جان گئی تھی۔ وہ درد تھا۔ وہ درد جو اسکی ہمت کی کرچیاں کر کے اسے لہولہان کر گیا تھا۔

ایک لمبی بھرپور نیند لیکر وہ بیدار ہوئی تو صبح طلوع ہو چکی تھی۔ بند دروازے کی جِھریوں سے روشنی کی کرنیں کمرے میں داخل ہو چکی تھیں۔ کمرے میں خاموشی تھی اور خنکی بھری ہوئی تھی۔

ماہین نے کروٹ بدلی تو دیکھا۔ اسکے پہلو میں امی سوئی ہوئی تھی۔ رات میں وہ انکی گود میں ہی لیٹے لیٹے سو گئی تھی۔ وہ بہت دیر تک ویسے ہی لیٹی ماں کو دیکھتی رہی تھی۔

بہت سارے لمحے سرکتے چلے گئے۔ باہر سے آتی چڑیوں کی آوازیں اب دوسری آوازوں تلے دبنے لگی تھیں۔ وہ ویسے ہی لیٹی رہیں اور وہ انہیں دیکھتی رہی تھی۔ یہاں تک کہ اسکی آنکھیں دکھن کا شکار ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ اس نے ہاتھ بڑھا کر انہیں چھوا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے آہستگی سے انہیں آواز دی تھی۔

"امی۔۔۔۔۔"

اسے وہ عجیب سا احساس ہوا تھا۔ کچھ تھا جو ٹھیک نہیں تھا۔ وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی اور آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

" امی۔۔۔۔۔ "

وہاں کوئی جنبشِ تک نہیں تھی۔ ایک سردیلی سی خوف کی لہر اسکے وجود میں سرائیت کر گئی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو مرتعش پایا تھا

" ام۔۔۔۔۔۔ "

اسکے لب کپکپا کر رہ گئے تھے۔

ماہین نے دھندلائی ہوئی نظروں سے وہ منظر دیکھا تھا۔ سفید کفن میں لپیٹ کر اسکی ماں کا وجود چارپائی پہ منتقل کردیا گیا تھا۔

" بس ہمت کرو۔۔۔ بس حوصلہ۔۔۔ "

جانے کس کس نے ساتھ لگا کر ان دونوں بہنوں کو دلاسے دیئے تھے۔

" جنازہ تیار ہے، مرد آ رہے ہیں اٹھانے "

ماہین نے تایا ابو کو دیکھا اور انکے ساتھ بہزاد بھائی کو۔ چھوٹے تایا ابو، اور وہ------ وہ جو قاتل تھا۔

" یہ یہ کیوں آئے ہیں یہاں----- "

اس کے آس پاس موجود لوگوں نے، عورتوں نے اچھنبے سے اسے دیکھا تھا۔

" یہ کیوں آئے ہیں--- انہیں کس نے بلایا ہے----- یہ کیوں---- "

تائی امی اسکی نظروں میں چھپی تحریر پڑھ چکی تھیں تبھی ہولے سے اسکا ہاتھ دبایا۔

" ماہیں بیٹا بس --- "

اس نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑوایا اور بپھر کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

" یہ میری ماں کو کندھا نہیں دیں گے۔ مجھے انکے کندھے کی ضرورت نہیں اور نا ہی میری ماں کو ہے۔ انہیں کہیں یہ چلے جائیں۔ یہ جائیں یہاں سے----- "

" ماہین "

اب کی بار انہوں نے سختی سے تنبیہہ کی تھی۔ زیاد ہونٹ بھینچے کھڑا تھا۔

"تماشہ مت بناؤ۔ جنازہ اٹھانا ہے "

" ہرگز نہیں "

وہ ڈھال بن کر جنازے کی چارپائی کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔ اب کیا بچا تھا جو وہ اس سے چھین لیتا ؟ اب رہ ہی کیا گیا تھا جس سے وہ اسے ڈراتا ؟؟؟؟

میری ماں کے جنازے کو انکے ہاتھ نہیں لگیں گے۔ یہ آگے نہیں بڑھیں "

" گے۔ اس گھر میں انکا ایک قدم بھی اور برداشت نہیں کروں گی میں

میرے سامنے میرے بیٹے پہ تہمت لگائی اور اب ساری دُنیا کے سامنے تماشہ "

" لگا رہی ہو۔ میرے بیٹے کی بے عزتی میری بے عزتی ہے

" اور آپکے بیٹے کا کندھا میری ماں کی بے عزتی ہے "

اس نے چلا کر کہا تھا۔

" دنیا کا آخری کندھا بھی اگر انکا ہوگا تو بھی مجھے اپنی ماں کے لیئے یہ قبول نہیں "

سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ تو بھوکی شیرنی کی طرح ہاتھ لہرائے، جنازے کے سامنے ڈھال بنی کھڑی تھی۔

" ماہین ہٹ جاؤ "

" نہیں "

وہ قطعیت سے بولی تھی۔ ماں کی چارپائی کی پٹی سے لگی مریم نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ منظر جہاں جو دو فریقین آمنے سامنے تھے۔ ایک طرف وہ سارا خاندان تھا جو ایک جُٹ تھا۔ اور دوسری طرف وہ اکیلی لڑکی۔ اس نے آنکھیں موند کر گہری سانس بھری۔

اس دن تایا کے گھر سے واپسی پہ ماہین نے بڑی آس سے اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا تھا۔

" باجی، آپکو مجھ پہ اعتبار ہے ؟؟؟؟؟ "

اس نے تب کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اب شاید اسے جواب دینا چاہیئے تھا۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس مجمع میں اسے دیکھا جو اسکے دل میں بستا تھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اسے اسکی محبت پہ یقین تھا۔ وہ جانتا تھا وہ جب ترازو میں اسکی محبت تولے گی تو وہ ہر شے سے وزنی رہے گی۔ پھر مریم نے اپنی انگلی میں پڑی وہ انگوٹھی محسوس کی۔ ایک لمحہ اور وہ اسے اتار کر زمین پہ چھوڑ چکی تھی۔ زیاد بے یقینی سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ وہ مضبوطی سے ماہین کا ہاتھ تھام چکی تھی۔

سارے خاندان کے سامنے ہمیں ذلیل کر کے رکھ دیا اس چھٹانک بھر کی لڑکی "
" نے۔ ہونہہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

تائی امی نے نخوت سے کہا تھا۔ بڑے تایا بھی وہیں کرسی پہ بیٹھے تھے۔

اپنے کرتوت نہیں دیکھتی جن کے پیچھے قبر تک پہنچ گئی اسکی ماں، الٹا میرے پہ "
برس رہی تھی۔ اور وہ بڑی والی ------ بڑا اچھا کیا زیاد نے جو رشتہ پہلے ہی ختم
"کردیا، جان چھوٹی

زیاد نے بغور باپ کو دیکھا

اتنے سالوں کی غلامی اور یہ صلہ دیا آپکے مرحوم بھائی کی اولاد نے۔ خوش ہیں "

" اب سارے محلے کے سامنے بے عزتی کروا کر ؟؟؟؟؟؟؟؟

انہوں نے سر جھکا لیا

جب جبان پہ تھو تھو ہو گی، جو جو خاک انکے سروں میں ڈلے گی ابو وہ اب "

" مفت میں ہمارے حصے بھی آئے گی۔ یہ صلہ ملا ہے ہمیں

" میری نیت تو صاف ہے ناں "

"کیا مل گیا نیتیں صاف رکھ کر ؟؟؟؟ "

تائی امی نے فوراً کہا تھا۔

نہیں ابو، اب جو کروں گا میں کروں گا۔ اب دیکھیئے گا میں اس بے عزتی کا کیسا "

" بدلہ لیتا ہوں۔ اور اب آپ میرے راستے میں نہیں آئیں گے

وہ سخت لہجے میں کہتا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

امی کو فوت ہوئے دو ہفتے ہو چکے تھے۔

سبھی مہمان رشتے دار جا چکے تھے۔ جانے والوں کو ویسے بھی کوئی کب تک روتا ہے، ایک حد کے بعد آنکھیں خشک ہو ہی جاتی ہیں۔ جو بھرا ہوا ہے، سوکھ جانا اسکا مقدر ہے۔

تائی امی نے سارے خاندان اور محلے میں اسکے اور ابرار کے قصے پھیلا رکھے تھے۔ رہی سہی کسر چھوٹی تائی نے پوری کردی تھی۔ مہر نے پورا پورا ساتھ دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ اسکا تن گندا ہوتا، اسنے سامنے والے کے کپڑے داغدار کر دیئے تھے۔ اسکے سکول تک کہانیاں پہنچ گئی تھیں۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ اسکی دوستیں دور ہوتی گئیں۔ استانیاں ہتک بھری نظروں سے دیکھنے لگی تھیں۔ دوسری طرف مریم کا بھی یہی حال تھا۔ کالج میں اسکی ہر بات پھیل گئی تھی

اسکی منگنی ٹوٹ گئی ہے---- کیوں---- اسکی بہن کی وجہ سے----- توبہ "
توبہ اس اتنی سی کا چکر تھا----- یہ بھی ایسی ہی ہوگی----- لعنت ہے-----
"

خوب لعنتیں ملامتیں، نفرتیں اور بے عزتی۔

دوسری طرف سے زیاد نے گلے کے گرد پھندا کس دیا تھا۔ فیکٹری کا پیسہ مکمل بند کردیا تھا۔ اب ایک پھوٹی کوڑی ان تک نہیں پہنچتی تھی۔ باہر ہی باہر جانے کیسی ہیرا پھیری کی اور سارا کچھ اونے پونے بیچ دیا۔ انہیں دکھایا ٹھینگا۔

دو بچیاں اور وہ خاندان۔ وہ کیسے پوری پڑتیں؟؟؟؟؟؟؟

تمہیں کہا تھا تمہیں برباد کردوں گا ماہین۔ میری مانتیں رہتیں تو فائدے میں "
" رہتیں۔ گھاٹے کا سودا تم نے خود کیا۔

وہ جانتی تھی اس نے ہمیشہ گھاٹے کا سودا ہی کیا تھا۔ اسے پتہ تھا اسکی ناقص عقل اتنی نہیں تھی کہ اس چلتر دنیا کا مقابلہ کر پاتی۔ اسے پتہ تھا اس کا انجام یہی ہونا تھا۔

پہلا باب

(پناہ)

" میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے "

رات کا آخری پہر تھا۔

ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ بنی آدم اپنے اپنے ٹھکانوں میں پناہ گزین سکون کی نیند سو رہی تھی۔ ایسے روح کو جما دینے والے جاڑے میں باہر نکل کر وہ ویسے بھی کونسی

کمائی کر لینے والے تھے۔ سڑک ویران پڑی تھی۔ آسمان خاموش تھا۔ آوارہ کتے بھی ساری رات بھونک بھونک کر اب تھک چکے تھے۔ وہیں قبرستان کے آہنی دروازے سے لگ کر کوئی یہاں، کوئی وہاں نڈھال سے پڑے تھے۔

وہیں قبرستان میں زرا آگے چل کر، اندھیروں اور ویرانیوں کے بیچوں بیچ وہ جگہ تھی جو ایسی بھی بے آباد نہیں تھی۔ اس تازہ بنی قبر کے پاس وہ ذی نفس موجود تھا جو کہ سر جھکائے زیرِ لب کچھ بڑبڑانے میں مصروف تھا۔ اسکے پاس زمین پہ آڑھی ترچھی لکیریں کھینچی گئی تھیں جن پہ کئی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک دیپ، ایک کٹوری میں خون، مردار جانور، ایک پنجرے میں قید چمگادڑ، کچھ زنگ آلود کیل، ایک کھوپڑی اور جانے کیا الا بلا۔ الغرض یہ کہ ہر وہ چیز جو ایک جیتے جاگتے انسان کو ہیبت میں ڈال سکتی تھی، وہاں موجود تھی۔

اس انسان نے خون میں انگلی ڈبو کر قبر پہ کچھ لکھنا شروع کیا تھا۔ وہ نا سمجھنے ،میں آنیوالے الفاظ تھے۔ کچھ اعداد، کچھ حروف۔ زندہ چمادڑ کا پنجرہ بھی قبر پہ رکھ کر وہ اس پہ مٹی کا تیل چھڑکنے لگا تھا۔

"اشطامان کی سرکار میں زندگی کی بھینٹ کہ وہ خوش ہو جائیں اور ہماری طرف لوٹ آئیں۔"

شعلوں کی لپٹوں کے بیچ پھڑپھڑائی چمادڑ اب اپنی منحوس آواز میں چیخنے لگی تھی۔

اس انسان نے اب وہ مردہ گوشت چبانا شروع کیا تھا۔ خون اسکے ہونٹوں سے بہتا اسکا چہرہ رنگنے لگا تھس۔

"میرے آقا مجھے اپنی غلامی میں لے لیں۔کہ انکا راج ہو، ہر طرف اور مجھ پہ اور یوں وہ حکومت کریں"

اس قبر کے گرد عجیب انداز سے چکر کاٹتے، ان بے معنی جملوں کا جاپ کرتے ہوئے، اس نے اپنے کپڑے پھاڑنا شروع کیئے تھے۔ آگ کی لپٹیں زندہ جانور کو

اپنی لپیٹ میں لے چکی تھیں۔ فضا میں وہ گندی سی بُو پھیلنے لگی تھی۔ چِلہ کرتے کرتے وہ ذی نفس خود کو برہنہ کر چکا تھا۔

ماہان اشطامان کے لیئے کہ وہ یہ تحفہ قبول کریں۔ وہ جسم چاہیں تو لے لیں، اور " روح بھی کہ انکی ہی تو امانت ہے "

اس کڑکڑاتے جاڑے کے موسم میں، آسمان تلے اس وجود نے اپنے بدن کو اس خون سے رنگنا شروع کیا تھا۔ وہ منتر دہراتے لب، یہاں وہاں سرسراتی انگلیاں ہر عضو کو لال کرتی جاتی تھیں۔

" شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے "

وہ درسگاہ تھی۔

،ایک سلیقے سے دو قطاروں میں تپائیاں جوڑی گئی تھیں جن پہ قرآن پاک رکھے بچیاں پڑھنے میں مصروف تھیں۔ سر پہ سلیقے سے سکارف اور ڈوپٹے اوڑھے ہوئے، سر جھکائے، اپنا اپنا سبق دہراتی ہوئیں۔

" ماہین، تمہاری باری "

نو دس سالہ وہ بچی اس آواز پہ اٹھی، قرآن پاک کو سینے سے لگائے معلمہ کے پاس جا بیٹھی تھی۔

" بسم اللہ الرحمن الرحیم "

اسکی آواز میں اسکا معصوم بچپن بڑی خوبصورتی سے بولتا تھا۔ اسکے چہرے کے نقوش میں بھی اسکی جھلک تھی۔ ہلکی بھوری آنکھیں، ستواں سی ناک، خوبصورت سی مسکراہٹ اور نکھری سی رنگت

" شاباش "

وہ سبق سنا چکی تو ادب سے اٹھی اور واپس اپنی جگہ جا بیٹھی تھی۔

"کہہ دیجیئے کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے مالک کی۔۔ "

اس گنجان آباد محلے پہ تیرتا آسمان ایک نئی صبح کو خوش آمدید کہہ چکا تھا۔ فجر کو قضا ہوئے مدت ہو چکی تھی۔ زرد سا سورج مہین کرنوں کی شال اوڑھے سفید بدلیوں سے کچھ کہہ رہا تھا۔ وہیں کبوتروں کی ٹولیاں گول گول دائروں میں چکر کاٹ رہی تھیں۔ ہاں صبح ہو چکی تھی۔

اب گھروں سے دھواں اٹھنے لگا تھا۔ پراٹھوں کی خوشبو، روٹی کی مہک، چائے کی کڑوی باس۔ زندگی انگڑائیاں لیتی نیند اتار رہی تھی۔ سنہری کرنیں در و دیوار سے لپٹی ساری رات کے داغ چھپا چکی تھیں۔ اندرون شہر کے اس تین پورشنز پہ مبنی گھر میں بھی صبح طلوع ہو چکی تھی۔

" السلام علیکم امی "

قرآن پاک سینے سے لگائے ماہین نے گھر میں داخل ہوتے ہی بلند آواز میں سلام کیا تھا۔ ماں نے باورچی خانے سے ہی جواب دیا تھا۔

" ماہی بیٹا جلدی سے یونیفارم تبدیل کر کے آؤ، ناشتہ تیار ہے، سکول سے دیر نا ہو جائے "

وہ کمرے میں آئی تو وہاں گزری رات آخری سانسیں لے رہی تھی۔ اے سی کی مدھر سی ٹھنڈک اور میٹھے سے اندھیرے میں اسکی بڑی بہن نیند کی دبیز چادر اوڑھے مزے میں تھی۔ جانے کس دیس کی سیر کو نکلی تھی کہ بند آنکھوں سے مسکرا رہی تھی۔

" باجی---- باجی "

وہ اسکے کان پہ چلائی

" اٹھیں اٹھیں جلدی کریں زلزلہ آگیا ہے۔ بڑے تایا کا پورشن گر گیا ہے، بڑے تایا اور تائی اپنے تینوں بیٹوں کے ساتھ زمین بوس ہو گئے ہیں۔ اٹھیں ناں"

اس نے بہن کو جھنجوڑا

" فٹے منہ "

بڑی بہن کا بڑا سا جھانپڑ اسکے پڑا تھا۔

" نکل جا، دفع ہو۔۔۔۔۔ "

لیکن وہ زلزلہ ؟ چھوٹے تایا کا گھر بھی بس گرنے والا ہے۔ مہر باجی تو بچ جائیں " گی کہ اس وقت وہ باہر ہوتی ہیں پر چھوٹے تایا اور تائی تو گئے۔۔۔ اٹھیں باجی۔۔۔

" اٹھیں۔۔۔۔ اب ہماری باری ہے

وہ ہنستی ہوئی یونیفارم نکالنے لگی۔

" منحوس نے ساری نیند خراب کردی "

"کالج نہیں جانا آپ نے ؟؟؟؟ "

" بھاڑ میں گیا کالج۔۔۔۔۔ "

وہ منہ بسورتی، سر تک لحاف اوڑھ کر پھر سے لیٹ گئی تھی۔ وہ کندھے اچکاتی کمرے سے نکل آئی۔

کتنی نیستی ہیں مریم باجی۔ توبہ اور ایک مہر آپی ہیں۔۔۔ انکا تو کوئی مقابلہ ہی "

" نہیں ہے ان سے۔۔۔ ہونہہ سوئی رہیں گھوڑے بیچ کر میں تو چلی۔۔۔۔

" اف۔۔۔ کتنی گرمی ہے توبہ "

امی باورچی خانے سے پسینہ پونچھتی نکل رہی تھیں۔

" ہر اس شے کی برائی سے جو اس نے پیدا کی ہے "

" ہیپی برتھ ڈے ابرار "

اس نے وہ میسج "مریم "کے نام سے محفوظ شدہ نمبر پہ سینڈ کردیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں جواب آگیا تھا

" خالی خولی وِش نہیں چاہیئے مجھے جناب، میرا گفٹ کہاں ہے ؟؟؟؟ "

اسکے چہرے پہ ایک مسکراہٹ تیر گئی تھی۔

" کتنے مِین ہو تم یار۔ ایک تو میں نے تمہیں آدھی رات کو وش کیا اوپر سے شکریہ کہنے کی بجائے گفٹ مانگ رہے ہو"

" گفٹ لازمی ہوتا ہے ناں میری جان"

" وہ بعد میں آتا ہے، پہلے ٹریٹ آتی ہے۔ کیک کھلاؤ اور گفٹ لے لو"

اندھیرے میں، سر تک لحاف اوڑھے، فون کی روشنی مدھم ترین کیئے وہ ٹائپنگ میں مصروف تھی۔

" اس میں کیا ہے، تم ملنے والی بنو، جو تم کہو گی وہی ٹریٹ دوں گا، جہاں تم کہو گی، وہیں----"

اسکی دھڑکنیں بے تال ہوئی تھیں۔

" تو بتاؤ کہاں ملیں ؟؟؟ "

" کل مشکل ہے یار "

مہر جان ایسے مت کرو۔ میری برتھ ڈے ہے یار، تم نے وعدہ کیا تھا ملنے کا، یار "

" میں نے فلیٹ کی چابی بھی لے لی ہے چلچو سے۔۔۔۔

کل نہیں ابرار۔ تمہیں بتایا تھا کہ نانی کی طبیعت خراب ہے، امی مجھے لازمی لیکر "

" جائیں گی

جواباً افسردہ ایموجی آیا تھا۔

" تم میرا دن مجھ سے چھین رہی ہو "

صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے اس نے فون دیکھا تھا۔ کوئی میسج نہیں تھا۔

" ابھی تک خفا ہو ابرار ؟ "

کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ وہ کالج جانے کے لیئے تیار ہونے لگی تھی۔ الماری میں ،رکھا وہ ڈبہ اس نے احتیاط سے نکالا تھا۔ خوبصورت گفٹ پیک۔ ایک برتھ ڈے کارڈ ساتھ میں پھول۔

" for my love with my love.... love you Ibrar "

" امی میں جا رہی ہوں "

وہ اپنے پورشن سے نکلی تو ماہین سکول بس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ وہ سکول بس میں جاتی تھی، مریم کے لیئے امی نے رکشہ لگوایا ہوا تھا۔ مہر سیدھی اسکی طرف ہی آئی تھی۔

" میرا ایک کام کردو پلیز میری بہن ہو ناں۔۔۔۔ "

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور بیگ میں رکھا وہ شاپر نکالا جس میں وہ تحفہ تھا۔ جلدی سے وہ اس نے ماہین کے بیگ میں منتقل کیا تھا۔

" یہ ابرار کو دے دینا، یاد سے "

" اس میں کیا ہے ؟؟؟؟ "

میرا کی آنکھیں چمک اٹھیں

" اسکا آج برتھ ڈے ہے "

وہ مسکرا دی۔ تبھی چھوٹے تایا کی بائیک کی ہارن سنائی دی تھی۔ مہر جلدی سے ڈوپٹہ ی درست کرتی باہر کی طرف دوڑی

"آئی ابو۔۔۔۔ "

" اور اندھیرے کے شر سے جب وہ پھیلنے لگے "

ہر طرف اندھیرا تھا۔ دم گھوٹ کسیلا اندھیرا۔ ایسا کڑوا کہ سانس کی روانی میں رکاوٹ بن رہا تھا۔ ایسے میں اس نے وہ تیز بو محسوس کی تھی۔ ایسی سڑاند کہ دماغ سڑنے لگا تھا۔ وہ بُو بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے اس سے بچنے کے لیئے ناک پہ ہاتھ رکھا تو محسوس کیا کہ اسکی تو ناک ہی نہیں تھی۔ دہشت کے مارے وہ کانپ اٹھا تھا۔ اس نے مدد کے لیئے چلانا چاہا لیکن بے سود۔ آواز اسکے حلق میں ہی اٹک کر رہ گئی تھی۔ اس نے اپنے چہرے پہ انگلیوں کے لمس سے محسوس کیا۔ اسکے ہونٹ

آپس میں پیوست ہو کر سی دیئے گئے تھے۔ اب وہ تھر تھر کانپنے لگا تھا۔ اس اندھیرے میں اس نے کسی جانور کے غرانے کی آواز سنی تھی۔ وہ اندھیرے میں ایک طرف کو بھاگنے لگا۔ بھاگتا رہا، سانس پھولنے لگی، بھاگتا رہا، دم گھٹنے لگا، بھاگتا رہا یہاں تک کہ گر پڑا۔ اسکا پیچھا کرتی مخلوق اس پہ جھپٹ پڑی تھی۔

" امی---- وہ مجھے مار دے گی--- مجھے بچالیں--- بھائی---- کوئی ہے ----- "

" وہ مجھے کاٹ رہی ہے---- میرے پیر---- میرے ہاتھ---- امی-----

وہ مسلسل چلاتے ہوئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ وہ دونوں اسے بمشکل سنبھالے ہوئے تھے۔ اسے جب بھی دورہ پڑتا تھا وہ ایسے ہی آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔

" بھائی--- میری مدد کرو---- وہ مجھے مار دے گی---- مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے---- وہ یہیں ہے--- وہ یہیں ہے---- دیکھیں کتنی گندی بدبو----- امی----"

وہ ماں بے بس تھی۔ بس آنسوؤں پہ ضبط کیئے، اسکے سرہانے بیٹھی اسکے بال سہلاتی رہی تھی۔

" میرا بچہ--- بس میں ہوں تیرے پاس--- بس ---- میرا بچہ---- "

تقریباً آدھے گھنٹے اسکی یہی حالت رہی تھی یہاں تک کہ وہ بے دم ہو کر بستر پہ گر گیا تھا۔ ایسے جاڑے میں بھی پسینے سے بھیگا ہوا، لمبے لمبے سانس لیتا، ہوں جیسے اسے کسی نے رسیوں سے باندھ کر مارا ہو۔

ایسے ہی ہو رہا تھا۔ پچھلے کئی ہفتوں سے ----

" اور گنڈوں پہ پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے "

اس نے چادر کی بکل ماری اور یوں اسکا چہرہ بہت حد تک چھپ گیا گیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اپنی منزل کی طرف جا رہی تھی۔

وہ کھنڈر سی عمارت تھی۔ کہنے والے کہتے تھے کہ گزرے زمانوں میں وہاں ایک مندر ہوا کرتا تھا۔ اب بس بس باقیات بچی تھیں۔ متنازعہ زمین ہونے کی وجہ سے کوئی شاز و نادر ہی ادھر کا رخ کیا کرتا تھا۔

اور اب وہ وہاں تھی۔

اس پرانے سے برگد کے پیڑ کے پاس جسکی کی لمبی لمبی جٹائیں زمین کو چھو رہی تھیں۔ وہ وہیں ایک طرف بنے چبوترے پہ بیٹھ گئی اور وہ سیاہ دھاگہ نکالا تھا۔ آنکھیں موند کر، ہولے ہولے کچھ بولتے ہوئے وہ اس دھاگے پہ گرہیں لگاتی پھونک مارتی تھی اور پھر سے وہی کرنے لگتی۔

وقت بھی برگد کے اس پیڑ کی طرح یہاں وہاں اپنے ان دیکھے ہاتھ پھیلاتا رہا تھا۔ شام کا آخری مسافر بھی ہار گیا اور سورج کے ساتھ ہی دفن ہو گیا۔ اس نے اس دھاگے کو آخری گرہ لگائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ برگد کی اس جھولتی شاخ سے وہ دھاگہ باندھ کر وہ اب اسکے سامنے جھکی اپنا منتر دہرا رہی تھی۔

اور حسد کرنیوالے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے۔۔۔۔۔ "

(سورت الفلق - مفہوم)

مہر خاموشی سے بیٹھی ماں کو دیکھ رہی تھی جو کہ نانی کے پاس بیڈ پہ بیٹھی انکے پیر دبانے میں مصروف تھیں۔ وہ دونوں ماں بیٹیاں دوپہر میں ہی آگئی تھیں۔ نانی کا بس آخری وقت تھا۔ دنیا جہان کی ساری بیماریاں ان سے چپک گئی تھیں۔ ایک کا علاج ہوتا تو دوسری سر اٹھانے لگتی تھی۔

" سو گئیں کیا ؟؟؟؟؟ اماں ؟؟؟؟ "

انکے لب پھر پھڑا کر رہ گئے۔ امی انکے نزدیک ہوئی تھیں۔

"شش۔۔۔۔ شہناز۔۔۔۔ "

انہوں نے ماں کو یوں دیکھا جیسے وہ انہیں کچا چبا جائیں گی۔

بس یہی وجہ ہے، یہی وجہ ہے اماں جو میں آتی نہیں ہوں یہاں۔ ساری زندگی "
اس عورت کو تم نے مجھ پہ فوقیت دی اور اب اس آخری وقت میں بھی اسی کا
"نام۔۔۔۔

وہ نفرت سے کہہ رہی تھیں۔

مر جائے شہناز اللہ کرے، کیڑے پڑیں حرامزادی کو۔ میرا حق کھا گئی اور میری "
"ماں، مجھ سے زیادہ آج بھی اسکی سگی ہے

انہوں نے زمین پہ تھوک دیا

دیکھو، غور سے یہ میں ہوں، سونیا ہوں اماں، تمہیں یاد ہو تو تمہاری کوکھ سے جنم "
میں نے ہی لیا تھا۔ اس حرافہ نے بس دودھ پیا تمہارا۔ پھر وہ سگی کیسے ہو گئی
"؟؟؟؟ کیسے مجھ سے زیادہ ؟؟؟؟؟

"امی بس کریں "

مہر نے بیزاری سے ماں کو دیکھا

یہ بھی تو کبھی بس کیا کریں۔ یہ بھی تو کبھی مجھے اپنی اولاد سمجھیں۔ ہمیشہ اس "
، عورت کا نام، اسکے گُن، اسکی صفتیں۔ بچپن سے آج تک۔ ہمیشہ میرا حق اسے دیا
" ہمیشہ۔ تو دیکھو اسکے آج بھی کیسے ٹھاٹھ ہیں

" چلیں امی بس جانے دیں، دفع کریں "

وہ ماں کو دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئیں

اب نہیں آؤں گی اماں، بس بہت ہوا۔ تم مر گئیں تو جنازے پہ بھی نہیں "

"آؤں گی، تمہاری اس لاڈلی کو بھیج دوں گی۔ بس جا رہی ہوں

وہ چپل گھسیٹتی بولتی جا رہی تھیں۔ مہر بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

واپسی کا سارا راستہ بھی وہ بکتی جھکتی رہی تھیں۔

" جانے کیا نظر آتا ہے اس میں انہیں۔ "

"کیوں کھپ رہی ہیں امی، کیوں چڑتی ہی۔ سونیا چاچی سے اتنا ؟؟؟ آپکی بلا سے "

واپسی پہ رکشے میں بیٹھے ہوئے مہر نے ماں سے کہا تھا۔

ہونہہ چڑتی ہے میری جوتی۔ اس سے اور اسکی بیٹیوں سے۔ ہے کیا ان میں "
؟؟؟؟ نرا نخرہ ہی نخرہ۔ اپنے مرحوم میاں کے پیسے پہ اچھلتی ہے سونیا۔۔۔۔ اپنا
" تو ایک دھیلا نہیں ہے اسکا۔۔۔۔

مہر نے بھی گردن جھٹکی

یہ تو صحیح کہہ رہی ہیں آپ۔ اس مریم کے تو مزاج ہی نہیں ملتے۔ نا شکل نا "
" صورت۔ کالج میں بھی یہی حال ہے، میں تو اسے منہ ہی نہیں لگاتی امی۔
اچھا کرتی ہو۔ اس چھوٹی کو بھی بلا ضرورت نا بلایا کرو۔ ایویں ہمیں کیا لینا ان سے۔
" جی امی "

اس نے آہستگی سے کہا اور بیگ سے موبائل نکالا۔ وہاں کئی پیغامات جمع تھے۔

گفٹ کے لیئے شکریہ میری جان۔ اب میری باری ہے۔ کل کو تمہیں مجھ سے
" ضرور ملنا ہوگا۔ کوئی بہانہ نہیں۔۔۔

دوسرا باب

(خاندان)

مغرب قضا ہوئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ شام رات میں ڈھل چکی تھی اور اسکی سیاہیاں روشنیوں میں گھلنے لگی تھیں۔ بڑے تایا ابو کے پورشن میں لائٹیں روشن تھیں۔ برآمدے میں دسترخوان بچھا تھا جس پر تمام اہلِ خانہ جمع تھے۔

" ابو جی آپ سے ایک بات کرنی تھی "

بہزاد نے باپ سے کہا تھا۔

گھر کے لیئے جگہ دیکھ لی ہے میں نے۔ ایڈوانس بھی پے کردیا ہے۔ اگر "

"آپ۔۔۔۔

میں اس ٹاپک پہ پہلے کتنی بار بات کر چکا ہوں بہزاد ؟؟؟ کتنی دفعہ میں تم سے "
"کہہ چکا ہوں کہ میں یہ گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا ؟؟؟؟؟

لیکن ابو آخر کب تک ؟؟؟ دو کمروں کے اس چھوٹے سے پورشن میں ہم تینوں "
بھائی کیسے ایڈجسٹ کریں گے ؟؟؟؟ کل کلاں کو بچے ہوں گے، انکی بھی شادیاں
" ہوں گی، کیسے ہوگا ؟؟؟؟؟؟

انہوں نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا۔ وہ کھانا چھوڑ چکے تھے۔

ہم بھی تین ہی بھائی تھے بیٹا، ہمارے باپ کے پاس بھی ایسا ہی کچوک گھر "
تھا۔ اسی میں شادیاں ہوگئیں، اسی میں بچے بھی ہوئے اور اب جوان ہو گئے ہیں
" تو انکا یہاں دم گھٹنے لگا ہے

" ابو۔۔۔۔۔ "

" دیکھو بہزاد "

انہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا تھا۔

میں یہ گھر نہیں چھوڑوں گا، اسے چھوڑنے کا مطلب اپنے بھائیوں کو چھوڑنا اور " یہ میں نہیں کر سکتا۔ تم اپنے بھائیوں کا ماس اپنے ناخنوں سے جدا کرسکتے ہو تو جاؤ چلے جاؤ، اپنی بیوی کو بھی لے جاؤ، لیکن یہ گھر میرا ہے اور میں اپنی آخری " سانس بھی یہیں لوں گا ۔ بس

" اب کیسی طبعیت ہے اماں جی کی ؟؟؟ "

سونیا سلائی مشین لیئے بیٹھی تھیں۔ مہر کی قمیض سلائی کر رہی تھیں جو کہ کل اس نے اپنی دوست کے گھر پارٹی میں پہن کر جانی تھی۔

" پتہ نہیں "

انہوں نے بیزاری سے کہا تو افضل صاحب نے چونک کر انہیں دیکھا

" پتہ نہیں ؟؟؟ یہ کیسا جواب ہوا ؟؟؟؟ "

" پتہ نہیں مطلب پتہ نہیں۔ "

وہ سلائی ہونے والی قمیض پہ ناپ رکھ کر فٹنگ کے نشان لگانے لگی تھیں۔

"کرنے کیا گئی تھیں پھر ؟؟؟؟ "

گئی تو نیک ارادے سے ہی تھی۔ ماں ہیں میری، انکی تیمار داری ، بیمار پرسی " فرض ہے میرا۔ پر آگے انہیں اپنے فرض ہی یاد نہیں۔ چلو مان لیا اب تو بڑھاپا ہے، سٹھیا گئی ہیں، جب ہوش الحواس میں تھیں تب کونسا پھول برساتی تھیں " مجھ پہ----

انہوں نے گہری سانس لی تھی۔

" پھر شہناز کا ہی ذکر ؟؟؟؟؟ "

" اور کیا--- وہی تو سگی اولاد ہے۔ میں تو سوتیلی ہوں "

انہوں نے کن انکھیوں سے بیوی کو دیکھا اور سرسری لہجے میں پوچھا

"کاغذات ملے ؟؟؟؟؟ "

سوئی میں دھاگہ ڈالتی ہوئی سونیا نے سر اٹھا کر شوہر کو دیکھا۔ وہ انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔

" دیکھو سونیا مجھے غلط مت سمجھنا لیکن یہ ضروری ہے۔ کوئی بھی ان سے گھر کے کاغذ پہ الٹے سیدھے انگوٹھے لگوا لے گا تب کیا کریں گے ؟ اور کسی کی چھوڑو شہناز ہی یہ کر ڈالے تو ؟؟؟؟؟؟؟ "

مہر وہیں چارپائی پہ بیٹھی تھی۔ کتابیں پھیلائے بظاہر پڑھائی میں مصروف۔

" شہناز چاچی ایسا کیوں کریں گی ؟؟؟ اتنی تو امیر ہیں پہلے سے ہی ؟؟؟؟ "

باپ نے اسے بغور دیکھا

" اور کی طمع زیادہ اسے ہی کاٹتی ہے جسکے پاس پہلے سے ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ جسے عیش کی لت پڑی ہو تو وہ ہی اسکے حصول کے لیئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔

وہ بیوی کی طرف مڑے

" کاغذات ڈھونڈو اس سے پہلے کہ وہ کسی اور کے ہاتھ لگ جائیں "

وہ دونوں بہنیں ماں کے ساتھ ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ یہ انکا مشترکہ ڈرامہ دیکھنے کا وقت ہوتا تھا۔

بیرونی دروازے پہ دستک ہوئی تھی تو شہناز نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

" بھائی صاحب ہوں گے، مریم بیٹا دیکھنا زرا "

تھوڑی دیر میں وہ واپس اندر آئی تو ساتھ بڑے تایا بھی تھے۔ شہناز نے جلدی سے سر پہ دوپٹہ درست کیا اور انکو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"آئیں بیٹھیں بھائی صاحب "

" نہیں بیٹا، بس یہ تمہاری امانت "

انہوں نے وہ بیگ انکی طرف بڑھایا تھا۔

بھائی صاحب میں نے آپ سے کہا تو ہے آپ یہ خود ہی دیکھ لیا کریں سب "

"کچھ۔ میں اب اتنا کیش گھر میں تو نہیں رکھوں گی ناں بچیوں کے ساتھ

وہ تو میں بنک میں جمع کروا دوں گا لیکن تمہارے علم میں بھی ہونا چاہیئے۔ "

" فیکٹری کے معاملات کی سمجھ نہیں لیکن آمدان کی پوری خبر ہونی چاہیئے

" بیٹھیں ناں "

انہوں نے اصرار کیا تھا۔ اتنے میں مریم انکے لیئے ملک شیک لے آئی تھی۔

" ہیر پھیر ہوتے دیر تو نہیں لگتی ناں شہناز بیٹا "

انہوں نے بغور انہیں دیکھا

بھائی صاحب ارشد نے جاتے ہوئے بس یہی ایک نصیحت کی تھی۔ مجھے پتہ "

ہے ساری دنیا میں بس آپ لوگ ہیں جو مجھ سے مخلص ہیں۔ آپ سب ہی

" میرے لیئے کُل ہیں، میرا خاندان ہیں۔ مجھے بھروسہ ہے آپ پہ بھائی صاحب

" جیتی رہو "

انہوں نے انکے سر پہ ہاتھ رکھا

میرے بھائی کی آخری نشانیاں ہو تم لوگ۔۔۔ اللہ خوش رکھے تمہیں اور دونوں " " بچیوں کو۔۔۔۔

سب کچھ ارشد نے ہی تو کھڑا کیا تھا۔ یہ فیکٹری تو دیوالیہ ہو جاتی اگر وہ باہر سے " " نا آتا اور بھائیوں کے ساتھ کھڑا نا ہوتا۔

تائی امی زیاد کے سر میں تیل کی مالش کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

اسکا تو کاروبار بھی وہاں باہر بھی سیٹ تھا۔ روپے کی ریل پیل، کھلا خرچہ، اچھا " کپڑا جوتا، بہترین کھانا پینا۔ لیکن اس نے بھائیوں کی پرواہ کی۔ کون کرتا ہے آج ؟؟؟؟؟؟؟؟ "

وہ زرا رکیں

تمہارے بھائی کو ہے تمہاری پرواہ ؟؟؟ وہ چاہتا ہے کل کے ہوتے آج اس گھر "
کے ٹکڑے کر دیئے جائیں، تمہیں بانٹ دیں گھر تاکہ بیچ باچ جہاں راہ دکھے ادھر
" بھاگ جاؤ تم سب۔۔۔۔

اس نے برا سا منہ بنایا

" امی یار ایک کی بات میں سب کو نا گھسیٹا کریں۔ "

وہ مالش کرتی رہیں

اب وہ بیوی کی پڑھائی پٹیوں میں آکر گھر سے جانے کی بات کر رہے ہیں تو میرا "

" اور شہزاد کا کیا قصور ؟؟

انہوں نے سر جھٹک دیا

اچھا چھوڑو یہ سب، تمہارے ابو وہ بیگ چھوڑ گئے ہیں، دن میں کسی وقت بنک "
" چلے جانا اور شہناز کے اکاؤنٹ میں جمع کروا آنا۔۔۔۔

کچھ دیر بعد وہ بولا تھا۔

ویسے انکے مزے ہیں ناں امی، نا کچھ کرنا نا کرانا اور بوریاں بھر بھر پیسے مل "
" جاتے ہیں

" شرم کرو، یہ سارا اسکے میاں کا ہی تو ہے "

اوہ ہاں--- وہ مر کر بھی ہمارے آقا ہیں اور ہم غلام۔ سوری میں بھول گیا تھا "
"

ماں نے تیل بھرے ہاتھ سے دھموکا ڑوکا تھا

" امی یار---- "

وہ تڑپ اٹھا۔

" چل دفع ہو جا---- "

مہر سنگھار میز کے سامنے کھڑی تیار ہو رہی تھی۔ نیا سلائی شدہ گلابی جوڑا جسکے ساتھ اس نے اینجنٹ جوتا اور جیولری خریدی تھی۔ ہم رنگ ہلکا سا میک اپ اور وہ تیار تھی۔

" مہر جلدی آنا بیٹا۔ تمہارے ابو پھر غصہ کرتے ہیں "

" وہ کب غصہ نہیں کرتے "

وہ شال اوڑھنے لگی تھی۔

کھانے میں نمک تیل زیادہ ہونے سے لیکر موسم کے تیور بدلنے تک ہر شے پہ "

" غصہ آتا ہے انہیں تو۔۔۔

" پھر بھی۔۔۔ باپ ہیں تمہارے۔ "

" اچھا امی "

اس نے بیزاری سے ماں کو دیکھا

"آ جاؤں گی جلدی۔ "

اور ایک بات بتا، یہ اس دُم چھلی کو ساتھ کیوں لگایا تو نے ؟؟؟؟ وہ ماہین کی "

" بچی کیوں جا رہی تیرے ساتھ ؟؟؟؟؟؟

" اور اکیلی جاتی امی ؟؟؟؟ "

" میں چھوڑ آتی تجھے۔ "

جانے دیں امی، پھر رات گئے مجھ سے ہی ٹانگیں دبوانی تھیں آپ نے۔ ماہین "

" اچھی ہے، ماں کی طرح چلاکو نہیں ہے۔

وہ شال اوڑھنے کے بعد خود جو تنقیدی نظروں سے آئینے میں دیکھ رہی تھی۔

"آپ فکر مت کریں۔ میں جلدی آ جاؤں گی "

" مریم--- بچے کہاں ہو ؟؟؟؟ "

وہ کمرے میں بستر پہ لیٹی ناول پڑھنے میں مگن تھی جب شہناز اسے آوازیں دیتی ہوئیں اندر آئی تھیں۔ وہ جلدی سے ڈائجسٹ تکیئے کے نیچے چھپا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"کیا کر رہی تھیں ؟؟؟؟ "

"کچھ بھی نہیں "

وہ ماں تھیں جو کہ بند آنکھوں سے بھی اولاد کی ایک ایک حرکت دیکھ لیتی ہے۔

تکیے کے نیچے سے جھانکتا ڈائجسٹ کا کونا انکی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہا تھا۔

"کالج کا بھی پڑھ لیا کرو کبھی۔ ہر وقت یہی جھوٹی سچی کہانیاں --- "

" پڑھتی ہوں امی---- "

انہوں نے اسے بغور دیکھا

" اچھا۔ میں یہ کہہ رہی تھی کک اکیڈمی سے چھٹی کر لینا شام کو "

"کیوں ؟ "

اس نے اچھنبے سے ماں کو دیکھا

"کچھ لوگ آ رہے ہیں تمہیں دیکھنے کے لیئے "

" امی یار "

اس نے بیزاری سے ماں کو دیکھا۔

" آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہیں۔ ابھی سے یہ رشتے اور شادیوں کا چکر۔ میری ہم عمر ہے ناں مہر بھی، اسے تو پرواہ بھی نہیں "

انہوں نے رسان سے اسکا ہاتھ تھاما

" اسکی ماں بھی زندہ ہے اور اسکے سر پہ باپ کا بھی ہاتھ ہے۔ مریم میری جان ارشد کی موت کے بعد سے مجھے بہت ڈر لگنے لگا ہے۔ مجھے میرے فریضے ادا کرنے دو بیٹا "

" لیکن امی میری پڑھائی۔۔۔۔ "

" اس سے کون روک رہا ؟ پڑھتی رہو جیسے مرضی۔ بس ساتھ ساتھ میں کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر رکھنا چاہتی ہوں۔ سالوں لگ جاتے ہیں اس میں بھی۔ میں بس یہ چاہتی ہوں کہ کسی اچھی جگہ تمہاری نسبت طے ہو جائے بس۔۔۔۔۔۔ "

وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔

ابرار نے سر تا پا اسے سراہتی نظروں سے دیکھا تھا اور آنکھ دبا کر ہونٹوں کو ستائشی انداز میں سکوڑا تھا۔ مہر نے اسے خفت بھری نظروں سے دیکھا اور پھر پاس کھڑی ماہین کی طرف اشارہ کیا۔

" بچی ہے کچھ تو لحاظ کرو "

" بچی کا ہی لحاظ ہے ورنہ تو۔۔۔۔۔ "

وہ شرارتی انداز سے مسکرایا اور ماہین کی طرف مڑا

" تمہارے فیورٹ ہیری پورٹر ڈاؤنلوڈ کر دیئے ہیں میں نے لیپ ٹاپ میں۔ تم یوں کیوں نہیں کرتی ہو کہ یہاں آرام سے صوفے پہ بیٹھ کر مووی دیکھو تب تک میں تمہاری آپی سے کچھ باتیں کر لوں گا "

وہ مسکرا دی۔

کچھ دیر بعد وہ کمرے میں جا چکے تھے۔

ابرار کے بقول وہ اسکے دوست کا فلیٹ تھا۔ دوسرا سا دو کمروں پہ مشتمل، ایک ننھا سا کچن اور زرا سا لاؤنج۔

"کتنا تڑپاتی ہو یار"

یہ آخری سرگوشی تھی جو ماہین نے سنی تھی جب وہ اسکی کمر میں ہاتھ ڈالے کمرے کی طرف گیا تھا۔

وہ مہمان ہو کر جا چکے تھے۔

شہناز کو تو رشتہ اچھا لگا تھا۔ چھوٹی سی فیملی تھی۔ دو بہن بھائی، ماں باپ۔ اپنا گھر تھا، لڑکے کا اپنا کاروبار تھا۔ اچھی سی پڑھی لکھی فیملی تھی۔

" اللہ کرے بس تمہارا ہو جائے مریم "

رات میں وہ بڑے تایا کی طرف گئی تھیں۔ اس وقت وہ فیکٹری سے واپس آ چکے ہوتے تھے تو گھر پہ ہی ملتے تھے۔

" مریم کا رشتہ، ابھی سے۔۔۔۔ "

تائی امی نے حیرت سے دیکھا۔ وہ ان کو کمرے میں ہی لے آئی تھیں۔

" بھابھی ابھی سے تلاش شروع کروں گی تو وقت پہ اچھا رشتہ ملے گا "

" یہ تو ہے، بچیوں کے معاملے میں تو بڑی چھان بین کروانی پڑتی ہے "

" اس لیئے تو آئی یوں بھائی صاحب "

انہوں نے رسان سے کہا تھا

اب ہمارے لیئے تو آپ ہی بڑے ہی اور اس گھر کے مرد بھی آپ ہی ہیں۔ "

میں نے دنیا دیکھی ہے اور نا ہی مجھے اسکا پتہ۔ میرے لیئے تو آنکھیں ناک جان بس

"آپ ہی ہیں۔ لڑکے کی چھان بین کروانی ہوگی، اور جو ضروری معلومات ہوتی ہیں

" تم فکر مت کرو شہناز "

وہ فوراً بولے تھے

وہ میری بیٹی ہے، پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں کل ہی کرتا "
" ہوں یہ کام۔

دستک کی آواز پہ تائی امی گھٹنوں پہ ہاتھ رکھتی اٹھی تھیں اور بیرونی دروازے تک آئی تھیں۔

"کون ہے ؟؟؟؟ "

" میں ہوں ماں جی مرسلین---- "

" اوہ اچھا اچھا---- "

انہوں نے دروازہ کھول دیا۔

وہ انتیس تیس سالہ، اچھے خاصے قد کاٹھ اور گندمی سی رنگت کے ساتھ قدرے تیکھے سے نقوش والا اچھا جاذب نظر شخص تھا۔

" میں زیاد سے ملنے آیا تھا ماں جی، وہ گھر پہ ہے ؟؟؟ "

"،وہ تو بیٹا ابھی تھوڑی دیر پہلے نکلا ہے کچھ کام کا کہہ کر۔۔۔۔ تم آؤ ناں بیٹھو
"کچھ چائے ٹھنڈا۔

"نہیں نہیں ماں جی اٹس اوکے "

اس نے شائستگی سے کہا تھا۔

"آ بھی جاؤ، اتنی گرمی ہے، پانی تو پی ہی لو کیا پتہ تب تک تمہارا دوست بھی آ
"جائے

انکے اصرار پہ وہ اندر آیا تھا۔

"اور تمہاری بیوی کیسی ہے ؟؟؟؟ کیا نام تھا بھلا سا۔۔۔ "

"جی ماں جی رابعہ بھی بالکل ٹھیک ہے "

کچھ دیر بعد تائی امی اسکے لیئے ٹرے میں کولڈ ڈرنک کے گلاس رکھے لائی تھیں۔

"زیاد بتا رہا تھا تمہاری پریشانی کے بارے میں۔۔۔۔ "

انہوں نے ہولے سے کہا تھا

" بس ماں جی دعا کیجیئے گا "

ماں کا تو کام ہی دعائیں کرنا ہے بیٹا۔ اچھا گود ہری کردے تم میاں بی بی کی "

" بھی اتنے سال ہونے کو آئے۔ اللہ تم کو بھی نیک نرینہ اولاد عطا کرے

انہوں نے صدق دل سے دعا دی تھی۔

بڑے تایا اور تائی امی آئے ہوئے تھے۔

مریم کو چائے کا انتظام کرنے کا کہہ کر امی نے کمرے سے نکال دیا تھا۔ اب اندر

وہ تین لوگ ہی تھے۔ ماہین دروازے سے لگی کن سوئیاں لے رہی تھی۔

ایک نمبر کے فراڈ ہیں۔ اپنا کاروبار ہونہہ۔ ایک دوکان ہے وہ بھی کرائے کی۔ "

پرچون ڈال رکھا ہے۔ دو بار تو پولیس لے جا چکی پرچون کی آڑ میں دو نمبر چیزیں بیچتا

" ہے۔ کہاں سے مل گئے تمہیں ایسے جعلساز لوگ ؟؟؟؟

شہناز پریشانی سے سر پکڑے بیٹھی تھیں

بہزاد کے جاننے والے کا دوست ہے۔ کہتا ابو اس نے کانوں کو ہاتھ لگا لیا نام "

" سنتے ہی۔ کیرا ہے بیٹی کو گلا گھونٹ کر مار دینا پر ادھر رشتہ مت کرنا

مریم چائے لیکر آئی تو انکی آنکھوں میں آنسو اور چہرہ اترا ہوا تھا۔

تم کیوں پریشان ہو رہی ہو شہناز۔ عمر ہی کیا ہے ابھی اسکی، ابھی سے ہلکان "

" مت ہو اس سب کے لیئے۔۔۔

تائی امی نے بہانے سے مریم کو پھر سے اٹھا دیا۔ وہ گئی تو وہ شہناز کے نزدیک ہوئی تھیں۔

" میں کچھ اور سوچ رہی تھی شہناز۔ "

وہ رازدارانہ انداز میں کہہ رہی تھیں۔

اپنے اپنے ہی ہوتے ہیں۔ اپنا مارتا ہے تو چھاؤں میں ڈالتا ہے۔ میری بات "

دھیان سے سنو، بھلے حیثیت میں ہم تم سے نیچے ہیں، روپیہ پیسہ نہیں، جائیداد

کے نام پہ بھی بس یہی ایک گھر ہے لیکن تمہارے اپنے ہیں، تمہارے دیکھے بھالے۔۔۔۔۔"

شہناز بغور انہیں دیکھ رہی تھیں۔

زیاد بہت محنت کر رہا ہے۔ اس بار پرامید بھی بہت ہے۔ کہتا ہے جاب مل جائے گئی امی۔"

انہوں نے رسان سے انکا ہاتھ تھاما

"اپنی مریم مجھے دیدو، میں اسے زیاد کی دلہن بناؤں گی۔"

وہ دم بخود رہ گئی تھیں۔

"زیاد بھائی ؟؟؟؟؟؟"

ماہین نے حیرانی سے ماں کو دیکھا۔ جواباً وہ دھیمے سے مسکرائیں اور اثبات میں سر ہلا کر پاس بیٹھی مریم کو دیکھا جو انہیں دیکھ کر نظریں چرا گئی تھی۔

گھر کا لڑکا ہے۔ دیکھا بھالا، تمہارا کزن ہے۔ ایماندار، پڑھا لکھا بھی ہے۔ اللہ کرے "
جاب بھی ہو جائے گی۔ اور سب سے بڑھ کر بھائی صاحب کا گھر۔۔۔۔ مریم بیٹا
" اور کیا چاہیئے ہوتا ہے ؟؟؟؟

وہ رسان سے کہہ رہی تھیں۔

" یہ روپیہ پیسہ، سٹیٹس، بڑے گھر یہ سب آنی جانی چیزیں ہیں بیٹا۔ آج ہیں، کل نہیں، آج زیادہ کل کم۔ اس سے فرق نہیں پڑتا۔ اور ویسے بھی یہ سب کچھ جو
" تمہارے باپ نے بنایا ہے تم دونوں بہنوں کا ہی تو ہے۔

وہ خاموش رہی تھی۔

" تم کیا کہتی ہو ؟؟؟؟ "

" مجھے نہیں پتہ امی، جیسے آپ کو ٹھیک لگے "

" نہیں، جیسے تم کہو گی "

وہ فوراً بولی تھیں۔

کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ اچھے سے سوچ لو، وقت لے لو اور فیصلہ کر کے "
"مجھے بتا دینا۔ تمہیں انکار کرنے کا حق ہے بیٹا
اس نے سر ہلا دیا تھا۔ ماہین ابھی تک اسی میں اٹکی ہوئی تھی۔
زیاد بھائی ؟؟؟؟ وہ تو بہت روڈ سے نہیں ہیں ؟؟؟؟ کافی سخت لگتے ہیں "
مجھے---- ویسے اچھے بھی ہیں---- اس دن مجھے سکول سے واپسی پہ لے کر
"آئے تھے جب بس خراب تھی۔ راستے میں آئس کریم بھی کھلائی تھی-----

---

اس کمرے میں پھیلے اندھیرے سے موم بتی کی زرد لو لڑنے میں مصروف تھی۔
دیوار پہ دور تک پھیلے سائے رقص کر رہے تھے۔ اس ناکافی روشنی میں وہ چہرہ غیر
،واضح تھا۔ کمرے کے بیچوں بیچ، ان لکیروں سے کھینچے گئے نشانات کے درمیان
پرانی ہڈیوں سے بنے دائرے میں وہ لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جس نے سیاہ چوغہ پہن
رکھا تھا۔ سر جھکائے وہ اپنے کام میں مصروف تھی۔

وہ چھوٹا سا روئی بھر کر بنایا کپڑے کا وجود جسکے گرد وہ پٹیاں لپیٹتی جا رہی تھی اور زیر لب کچھ منتر پڑھتی جا رہی تھی۔ اسکے پاس کٹوری میں تازہ خون رکھا تھا جس میں انگلیاں ڈبو کر اس نے اس بے جان گڑیا کے وجود پہ ایک نام لکھا تھا۔

" اسے تکلیف دو، سارے زمانوں کی سب سے دردناک تکلیف۔ وہ تکلیف جسکی کوئی حد نا ہو، جسکے لیئے کوئی دوا نا ہو۔ اسے تکلیف دو، اس سے سو گنا زیادہ تکلیف جو اس سے کسی کو ملی ہو۔۔۔۔ "

وہ زنگ آلود سوئیاں تھیں جن کو بلند آواز میں کچھ پڑھتے ہوئے اس نے اس جسم میں گھسانا شروع کیا تھا۔ ایک کے بعد ایک۔۔۔۔۔

" اسے تکلیف دو۔ موت جیسی تکلیف لیکن ایسی کہ موت بھی اس سے رہائی نا دلا سکے۔ "

وہ نفرت سے کہتی اسے سوئیاں کھبوتی جا رہی تھی۔

تیسرا باب

(چاہت)

شہناز نے سوپ کا وہ آخری چمچ انہیں پلایا اور پھر آہستگی سے رومال کے کونے سے انکا منہ صاف کیا تھا۔ اتنے میں مریم پھل کاٹ کر پلیٹ انکے پاس رکھ چکی تھی۔

" تھوڑا سا کھا لیں۔ بس یہ ایک سیب ہی تو ہے خالہ جی "

انہوں نے قاش انکی طرف بڑھائی تھی۔ وہ بغور اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"کتنی۔۔۔ کتنی کمزور ہو گئی ہے تو۔ خود بھی کھا۔۔۔۔ "

وہ ہنس پڑیں

" میں کہاں سے کمزور لگ رہی ہوں خالہ جی ؟؟ دیکھیں تو صحیح زرا، اتنی موٹی غبارہ سی تو بن گئی ہوں "

انہوں نے پانی کا گلاس بھرا تھا۔

" سونیا نا آئی ؟؟؟؟ بڑے دن سے دیکھا نہیں اسے--- "

شہناز نے احتیاط سے گلاس انکے لبوں سے لگا دیا

" میں پیغام دیدوں گی آپکا اسے۔ لگا لے گی چکر، بس گھر میں ہی مصروف ہوتی ہے۔ "

انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ مریم بغور انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

" میری بیٹی--- مجھے پتہ ہے اسے میری چاہت ہے۔ بس غصے کی زرا---- تیز ہے پر مجھ سے محبت کرتی ہے۔ جیسے تو کرتی ہے "

" لیٹیں گی اب کچھ دیر ؟ لٹا دوں آپکو ؟؟؟ "

انہوں نے ہولے سے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔ تبھی بیرونی دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔ مریم نے اٹھنا چاہا لیکن شہناز نے منع کردیا تھا۔

" تم خالہ جی کو لٹانے میں میری مدد کرو، باہر عالیہ دیکھ لے گی "

کچھ ہی دیر میں دروازے پہ آہٹ ہوئی اور قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔ شہناز نے رخ موڑ کر دیکھا۔ سونیا کھڑی نفرت بھری غصیل نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

زیاد نے شاکڈ نظروں سے ماں کو دیکھا اور پھر باپ کو

" میرا رشتہ ؟؟؟؟؟؟؟ "

تائی امی نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔

" میرا رشتہ طے کر آئے اور مجھے اب بتا رہے ہیں ؟؟؟؟ "

وہ ابھی تک صدمے میں تھا

" زیاد بیٹا تم۔۔۔۔۔ "

میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ امی اور میری مرضی جاننے کی کسی نے کوشش ہی "

" نہیں کی ؟؟؟؟؟

"کیا ہے تیری مرضی ؟؟؟؟؟ "

تایا ابو نے فوراً پوچھا تھا

اب بھی مت پوچھیئے ابو۔ اتنی زحمت بھی کیوں۔ ڈائریکٹ کارڈ بھجیئے گا ناں کہ "

" فلاں دن تمہاری شادی ہے آ جانا

" تو اوور ری ایکٹ کر رہا ہے یار "

بہزاد بھی وہیں تھا۔ بیزاری سے کہا تو زیاد نے اسکی طرف خفت سے دیکھا

اکیسویں صدی میں لڑکے کا رشتہ اس سے پوچھے بغیر طے کر آنا اوور نہیں لگتا "

"آپکو ؟؟؟؟

" نہیں "

وہ فوراً بولا

" دماغ سے سوچ، اس سے بہتر رشتہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ سسر ہے نہیں، ساس اور سالی بس۔ باقی رشتے دار وہی جو تیرے بھی رشتے دار ہیں۔ اچھی پڑھی لکھی لڑکی بے تحاشا دولت کے ساتھ۔ "

وہ زرا رکا

" اب بول برائی کیا ہے اس رشتے میں---- ؟؟؟؟؟ "

وہ زرا دیر کو خاموش رہ گیا۔ تایا ابو کھنکارے تھے۔

" وہ ارشد کی یتیم ہے بیٹا۔ تم کچھ بھی کہو۔ میں نے اپنے بھائی کے منہ کو رشتہ جوڑا ہے۔ رہی دولت گھر بار تو اللہ کا دیا ہمارے پاس بھی بہت ہے۔ میں نے کسی لالچ میں یہ کام نہیں کیا ہے "

وہ لب کاٹتا رہ گیا۔

" تجھے کوئی اور لڑکی پسند ہے کیا ؟؟؟؟؟؟؟ "

ہونہہ نِری ڈرامے بازی۔ ساری زندگی نمبر میری ماں کی چاپلوسی کر کے دل نہیں "
" بھرا تیرا جو آخری وقتوں میں بھی پہنچ گئی۔

انہوں نے نفرت سے شہناز سے کہا تھا

اب کیا رہ گیا لیے اس بیچاری عورت کے پاس جسکی تمنا ہے تجھے ؟؟؟؟ اب کیا "
" چھیننا چاہتی ہے تجھے ؟؟؟؟ بول ؟

" سونیا تم اب زیادتی کر رہی ہو ؟؟؟؟ "

وہ طنزاً ہنسی تھیں۔

" زیادتی اور میں ؟؟؟؟؟ ہا ہا ہا---- بی بی ہوش کرو "

وہ زہر خند لہجے میں بولی تھی ۔

زیادتی اسے کہتے ہیں جو میرے ساتھ کی گئی تھی۔ ہمیشہ------ پہلے میرے "
نوالے تم نے چھینے، پھر میری ماں۔ میرا گھر اور جب اس سے بھی دل نہیں بھرا
" تو میری چاہت بھی------

وہ کہہ کر رکی نہیں تھیں۔

"آئیندہ اس گھر میں قدم بھی رکھا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا یاد رکھنا "

" مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے امی۔ جیسے آپکی مرضی، مجھے یہ رشتہ منظور ہے "
شہناز خوشی سے نہال ہو گئی تھیں اور آگے بڑھ کر اسکا ماتھا چوم لیا

" میری بچی ----- "

وہ خاموش رہ گئی

دیکھنا اللہ پاک تجھے کتنی ڈھیر ساری خوشیوں سے نوازے گا۔ کتنا مبارک دن ہے "
"آج۔ ابھی کل ہی بھابھی پوچھ رہی تھیں کہ کیا فیصلہ لیا مریم نے----

شام میں ہی مٹھائی کی ٹوکری لیئے تائی اور بڑے تایا آ گئے تھے۔

" میری بیٹی۔ بس آج سے یہ میری امانت ہے شہناز "

"آپکی ہی بیٹی ہے بھائی صاحب "

" ارشد آج زندہ ہوتا تو کتنا خوش ہوتا ناں "

جانے والے کہنے کو تو چلے جاتے ہیں لیکن در حقیقت وہ ہمیشہ کے لیئے وہیں رہ جاتے ہیں۔ ہر خوشی غمی میں انکا حصہ ہمیشہ کے لیئے باقی رہ جاتا ہے۔

خوشبو بھری بھاپ اڑاتے پراٹھے کو توے سے اتار کر انہوں نے چولہا بند کیا تھا۔ چائے کا کپ اس ٹرے میں رکھ کر وہ باہر آئی تھیں۔ ڈائننگ پہ زیاد بیٹھا انگڑائیاں لے رہا تھا۔

" کل مرسلین آیا تھا، تمہارا پوچھ رہا تھا "

انہوں نے ناشتے کی ٹرے اسکے سامنے رکھی تھی۔ تایا ابو اور دونوں بڑے بھائی جلدی ناشتہ کر لیتے تھے کہ اپنے اپنے کاموں پہ جانا ہوتا تھا۔ وہ آرام سے دن چڑھے اٹھتا تھا۔

" ہاں ہو گئی تھی بات "

" خیریت تھی ؟؟؟؟ "

" ہاں امی "

وہ بکھری چیزیں سمیٹنے لگی تھیں

" پریشان ہے بیچارہ، ہے ناں ؟؟؟ اولاد کی کمی کیسی اذیت ہوتی ہوگی "

وہ ہی بول رہی تھیں۔

میں نے تو کہا بیٹا فکر مت کرو، اللہ کے گھر میں دیر ہے اندھیر نہیں۔ ٹیسٹ "

" وغیرہ کرواؤ اب تو سائینس بھی ہے

سب کروا لیئے ہیں اماں، سب کلئیر ہے۔ ڈاکٹر یہی کہتے ہیں کہ بس اللہ کی طرف "
" سے ہی دیر ہے

وہ ہنکارا بھر کر رہ گئیں۔

تم کیوں مجھ سے اتنی دور بھاگتی ہو میری جان ؟ میری محبت کے جواب میں "
" اتنی بے رخی کیوں ؟ کیوں میرے دل کے ٹکڑے کیئے رکھتی ہو ؟؟؟

" ابرار ایسی بات نہیں ہے۔ "

مہر نے ہولے سے کہا تھا۔ وہ دونوں پارک میں بینچ پہ ساتھ ساتھ ہی بیٹھے تھے۔

تمہیں پتہ ہے میں اکلوتی اولاد ہوں تو میرے ماں باپ کی نظر ہمیشہ مجھ پہ رہی "
ہے۔ میرے قیٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، رونے ہنسنے تک کا حساب رکھا جاتا ہے۔

" میرے لیئے روز روز تم سے ملنے کے لیئے نکلنا آسان نہیں ہے

" اور میری محبت کا کیا ہے ؟؟؟؟ "

" ،تم سے محبت ہی تو ہے جس کے لیئے میں سارے خطرے مول لیکر آتی ہوں
" یہ نا ہوتی تو میں یہاں کیوں ہوتی۔۔۔۔۔

ابرار نے اسکے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔

" مجھ سے اب صبر نہیں ہوتا۔ مجھے اب تمہارے ساتھ رہنا ہے مہر، ہمیشہ کے
" لیئے۔ کبھی ایسے ملنے آؤ کہ واپس نا جانا ہو، بس یہیں رہ جانا ہو

وہ مسکرادی

" تو آؤ ناں مجھے لینے۔ گھوڑے پہ بیٹھ کر، شادیانے بجاتے ہوئے۔ آتشبازی کے
" ساتھ، کسی راجکمار کی طرح اور مجھے لے جاؤ۔

سارا گھر کسی نئی نویلی دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ کوئی دلہن کہ اسکے ہاتھوں پہ لگی حنا پہ بڑا رنگ چڑھا تھا۔ اسکی کلائیوں میں چوڑیاں چھن چھن کرتی تھیں۔ لمبے ریشمی بالوں میں گجرے بل کھاتے تھے اور کانوں میں آویزے ہلکورے لیتے تھے۔

" میں اچھی تو لگ رہی ہو ناں امی ؟؟؟ "

مریم نجانے کتنی ہی دفعہ ماں سے پوچھ چکی تھی۔

" تمہیں کیا لگتا ہے آئینہ جھوٹ بول رہا ہے ؟؟؟ "

انہوں نے ہاتھوں کے کٹورے میں اسکا چہرہ بھر کر رسان سے کہا تھا۔

" میری چاند سی بیٹی "

زیادہ ماں باپ اور بھائیوں کے ساتھ آیا تھا۔ وہ عہد باندھنے جو ساری عمر کے لیئے تھا۔ وہ عہد جو اس خوبصورت انگوٹھی پہ تحریر تھا۔

" تمہارا، تم میری، تم میرے، ہاں میرے۔۔۔۔ "

" اچھی چال چل گئے بھائی صاحب۔ صحیح کھیل گئے "

چھوٹے تایا نے بیوی سے کہا تھا۔ منگنی ہو چکی تھی اور اب کھانا سرو کیا جانا تھا۔

ارشد کی بے تحاشا دولت کو جائز طریقے سے اپنی تجوری تک لے جانے کا صحیح "
" راستہ ڈھونڈا ہے

" اب چھوڑیں بھی "

انہوں نے نخوت سے کہا تھا۔

ہماری بلا سے۔ ہم تو تین میں نا تیرہ میں۔ ہمیں تو اس روپے پیسے سے اول دن "
" سے فیض نا ملا، پہلے بھی کتے بلیاں کھا رہے تھے، اب بھی کھائیں گے

انہوں نے سر جھٹک کر بیوی کو دیکھا۔

مریم کی ہم عمر ہے ناں مہر بھی ؟؟؟؟؟ ہم نے نہیں سوچا اس بارے میں "
" سونیا بیگم ؟؟؟؟

اتنی عمر ہے ابھی۔ شہناز کو تو آخر آ رہی تھی۔ میں تو ابھی سے اپنی بیٹی کے سر "
پہ نہیں تھوپ رہی کوئی بھی نئی زمہ داری۔ سکون سے پڑھے میری بچی، تب کی
"تب دیکھیں گے

کچھ یاد آنے پہ وہ شوہر کے نزدیک ہوئیں۔

ایک بات تو میں بتانا بھول ہی گئی۔ مجھے امی کے گھر کاغذات کی فائل مل گئی " ہے "

" چلو یہ فریضہ بھی پورا ہوا "

تایا ابو نے لمبی سانس بھری اور صوفے پہ نیم دراز ہو گئے تھے۔ تائی امی بھی پاس ہی بیٹھی چوڑیاں اتار رہی تھیں۔

بس میری تو یہی دعا ہے اللہ پاک نظر بد سے بچائے۔ پتہ ہے ناں آپکو یہاں " حاسدوں کی کمی نہیں ہے۔ اُس سے جلنے والوں کی توپوں کا رخ اب ہماری طرف ہو چکا ہے "

وہ زرا رکیں

کئی سرگوشیاں سنی ہیں آج میں نے کہ اس منگنی کا مقصد بس ارشد کی دولت "
" ماٹھنا ہے

" دفع کرو ان واہیات باتوں کو "
انہوں نے ناک سے مکھی اڑائی

یہ سب میں تب سے سن رہا ہوں جب سے ارشد کی فیکٹری سنبھالی ہے۔ اپنی " حق حلال کی کمائی سے پھل بھی خریدتا ہوں تو سب یوں دیکھتے ہیں جیسے اسکے پیسے سے عیش کر رہا ہوں۔ تم نے تو آج سنا ہے، میں پچھلے دس سال سے سن رہا
" ہوں۔

انہوں نے رسان سے کہا تھا

ایک کان سے سنو دوسرے سے نکال دو، یہی بہتر ہے۔ اب ایک اچھی سی "
" چائے پلا دو

تائی امی ہنکارہ بھر کر رہ گئیں۔

" امی---- "

وہ غنودگی میں تھیں جب مریم نے ہولے سے انہیں پکارا تھا۔ ماہین انکے بغل میں لیٹی دھت سو رہی تھی۔

" ہُوں "

" ایک بات بتائیں گی ؟؟؟؟ "

" پوچھو---- "

اس نے انکی طرف کروٹ لی تھی۔

" یہ چھوٹی تائی آپ سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہیں ؟؟ "

" تمہیں کس نے کہا سونیا مجھ سے نفرت کرتی ہے ؟ "

وہ طنزیہ سا ہنسی

آف کورس امی میں اندھی یا بہری نہیں ہوں۔ ہمیشہ سے میں یہی دیکھتی اور "
سنتی آ رہی ہوں کہ وہ کتنے ہتک آمیز انداز میں آپ سے ڈیل کرتی ہیں۔ ہمیشہ سے
" انکا یہی رویہ رہا ہے ہم سب کے ساتھ
" بس اسکی نیچر ہے ایسی بلاوجہ کا غصہ کرنا۔ "
بہت دیر بعد انہوں نے کہا تھا۔
" تم سو جاؤ پھر صبح اٹھتی نہیں ہو "

رات خاموشی سے اپنے فریضے سر انجام دے رہی تھی۔ اندھیرا جہار سو پھیلا ہر ذی نفس کو لوریاں سنا رہا تھا۔ اپنے بستر پہ چِت لیٹی سونیا کی چھت کو گھور رہی تھیں۔ ماشاءاللہ--- کتنی پیاری ہے شہناز---- کتنی خوبصورت آنکھیں ------ گڑیا سی "
" ہے------ میرا بچہ-----

انہیں تب سے اس سے نفرت تھی۔ تب سے جب سے وہ پیدا ہوئی تھی۔ اس نے انکی ماں چھین لی تھی۔

" صبر کرو بیٹا۔ بس جو اللہ نے لکھ دیا۔۔۔۔ بس مت رو۔۔۔ جانیوالے لوٹ کر نہیں آتے۔۔۔۔ بس میری بیٹی۔۔۔۔۔ "

ماں باپ کے بعد وہ ہمیشہ کے لیئے انکے گھر ہی آ گئی تھی۔ اور تب وہ جنگ شروع ہوئی تھی۔ وہ جنگ جس میں وہ ہمیشہ جیت جاتی تھی۔ ہر مقابلہ ہر بازی وہ اپنے نام کر لیتی تھی۔

وہ ان سے زیادہ خوبصورت تھیں، زیادہ لائق۔ سمجھدار اور سگھڑ۔ یوں کہیں کہ وہ اجالا تھیں جس میں وہ چھپ جاتی تھیں۔

" ہمیشہ میرا حق مارا ہے اس نے۔ پہلے میرا گھر، میری ماں، میرے دوست، میرے نوالے، میرا نصیب اور پھر میری چاہت۔۔۔۔۔۔ "

ارشد اماں کا بھانجا تھا اور انکی محبت۔ شہناز کے آنے سے بھی بہت پہلے سے۔ اس سے بھی بہت پہلے سے۔ وہ ہمیشہ خود کو اسکے ساتھ ہی تو دیکھتی آئی تھیں۔

" شہناز۔۔۔۔۔۔ "

وہ دھک سے رہ گئیں۔ وہ تو ارشد کا رشتہ شہناز کے لیئے لیکر آئی تھیں۔ تو یہاں بھی اسکے تئیں اسکا حق مارا گیا تھا۔ اماں کا سب سے ذہین فطین اور امیر بھانجا انکی چہیتی کے لیئے اور بچا کھچا ماں بیٹی کے لیئے۔۔۔۔۔۔

کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کوئی کسی سے کیوں حسد کرتا ہے ؟؟؟ کوئی کیسے کسی سے نفرت کر لیتا ہے ؟؟؟؟ کب یہ طے ہوتا ہے کہ کون ہمارا دشمن ہے اور کون دوست ؟؟؟؟؟ کیا اس وقت جب ہم خود کو اپنے ہی بنائے ترازو میں کسی کے ساتھ تولتے ہیں اور خود کو ہلکا پاتے ہیں ؟؟؟؟ کیا یہ ہلکا پن ہے جو حسد میں تب بدل جاتا ہے جب ہمیں بے بس کر دیتا ہے ؟؟؟؟؟ کیا تب یہ نفرت میں ڈھل جاتا ہے جب یہ محبت نہیں بن پاتا ؟؟؟؟؟؟؟ تب جب ہم یہ زیادہ سوچتے ہیں

کہ کوئی ویسا ہے تو کیوں ہے بجائے یہ سوچنے کے ہم جیسے ہیں ویسے کیوں ہیں-----

---

اگلی صبح معمول کے مطابق طلوع ہوئی تھی۔ سب ویسا ہی تھا پہلے جیسا لیکن کچھ کچھ تبدیلیاں بھی تھیں جو زندگیوں میں گھل چکی تھیں۔

زیاد اپنے بستر پہ لیٹا فون کی سکرین کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جو اسکی کزن تھی، اب منگیتر کا درجہ پا چکی تھی۔ دلہن بنی، کسی بات پہ دھیما سا مسکراتی ہوئی۔

" تجھے کوئی اور لڑکی پسند ہے ؟؟؟؟؟ "

وہ بازگشت سی ہوئی تھی۔ وہ ویسے ہی لیٹا اس تصویر کو گھورتا رہا تھا۔

چھوٹے تایا کے پورشن میں وہ دونوں میاں بیوی سر جوڑے بیٹھے تھے۔

جو کچھ ہے میری ماں کا ہے تو اب قانونی طور سے بھی بس میرا ہے۔ کوئی حصے بخرے نہیں ہوں گے۔ اب کی بار میں اپنے حصے میں سے اسے ایک آنہ ٹکا تک نہیں دوں گی۔"

وہ نخوت سے کہہ رہی تھیں۔

اندر کمرے میں مہر فون پہ لگی ہوئی تھی

"تم نے وعدہ کیا تھا آج کالج کے بعد مجھے ملو گی۔ دیکھو آج وعدہ خلافی مت کرنا"

وہ مسکرا دی تھی۔

وہی صبح اس تیسرے گھر پہ بھی دستک دے چکی تھی۔ وہ دونوں لڑکیاں تیار شیار ناشتے کی میز پہ تھیں۔ روز جیسا ناشتہ، وہی تیاری۔ بس بدلاؤ یہ تھا کہ اب وہ لڑکی بڑی میٹھی نظروں سے، بڑی چاہت سے بار بار اپنی انگلی میں پڑے اس چھلے کو دیکھتی تھی

اس غلیظ اور پرانے سے پیوند لگے چولے کو گلے میں ڈالے اس آدمی نے اسے بغور دیکھا تھا۔ اسکی چُنی چُنی سی سیاہ آنکھوں میں تیرتی وحشت بھی اسے ڈگمگا نہیں سکی تھی۔ ہولے سے چادر کا کونا سر پہ ڈال کر وہ اسکے سامنے ہی آ بیٹھی تھی۔

"کیا چاہت ہے تیری ؟؟؟؟ "

اسکی آواز ہی بڑی منحوس تھی۔ یوں جیسے رات کے سناٹے میں دور کوئی جانور دوسرے پہ غرّا رہا ہو

" اس خاندان کی تباہی "

" وہ تو تیرا بھی خاندان ہے یاد ہو تو۔۔۔۔ "

"آخ تھو۔۔۔ "

اس نے نفرت سے زمین پہ تھوک دیا تھا۔ اس آدمی کے چہرے پہ مسکراہٹ تیر گئی تھی۔ اسکے غلیظ دانت واضح ہنے لگے تھے۔

"کس حد تک جا سکتی ہے اپنی چاہت کے حصول کے لیئے ؟؟؟؟؟؟ "

" وہاں تک کہ جہاں کوئی حد نا رہے "

اس نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا۔

" بدلے میں کیا دے گی ؟؟؟؟ "

اب کہ اس نے اسے بغور دیکھا تھا۔ وہ للچائی ہوئی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

اس نے سر سے کپڑا سرکا دیا تھا۔

" وہ سب جو تیری چاہت ہوگا۔۔۔۔ "

چوتھا باب

(لمس)

اس کوٹھڑی میں جلتے دیپک کی ناکافی روشنی میں وہ چہرے گڈ مڈ سے ہو رہے تھے۔ دیواروں پہ پھیلے ان بے ڈھبے سایوں کی طرح کہ انکی ہیئت واضح تھی نا ہی چہرے کے نقوش۔ اس فضا میں پھیلی بدبو سے تو اب وہ آشنا ہو چکی تھی۔ اس سے اب اسے کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی۔ بہت ساری چیزوں کی طرح اب وہ اس سے بھی سمجھوتہ کر چکی تھی۔

جیسے وہ سمجھوتہ کر چکی تھی خوف سے، خود پہ حاوی ہوتے خیالات سے، اور اس تکلیف سے، اور ان حالات سے۔

میں قیمت ادا کرنے آئی ہوں، اسکی جو مجھے ابھی ملا نہیں ہے۔ مجھے اچھے سے دیکھ لے اور جان لے کہ میں اپنی بات سے پھِر جانے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

وہ اپنے جسم پہ موجود آخری لبادہ بھی نوچ چکی تھی۔ اس سردی میں برہنہ ہوتے ہوئے بھی اسکا وجود کپکپایا نہیں تھا۔ اس نے دیکھا وہ رالیں ٹپکا رہا تھا۔

جسم ایک ذریعہ ہے اس تک جانے کا، وہ خوش ہوگا تجھ سے۔ پھر تو جیسا کہے گی ویسا ہی ہوتا رہے گا"

وہ لمس اسکے بدن پہ دور تک اپنے نشان چھوڑتے جا رہے تھے۔ وہ تو گویا پتھر کی سِل تھی۔ خاموش، ساکت اور بے حس۔ اسکے تو گویا جذبات ہی نہیں تھے۔ تھے تو اب زندوں میں نہیں تھے۔ جیسے وہ خود نہیں تھی۔

آج چھٹی کا دن تھا۔

مہر صبح سے ہی کچن میں گھسی ہوئی تھی۔ اپنی کسی دوست سے نئی ترکیب پوچھ کر آئی تھی تو اب بس وہی بن رہا تھا۔ کسی عجیب و غریب سی اطالوی ڈش کا نام جسے سن کر ہی سونیا بیگم کا منہ بن گیا تھا۔

" پہلے روٹی تو پکانا سیکھ لے، اگلے گھر والے یہ نوکی شوکی نہیں کھائیں گے "

" امی پلیز میرا موڈ خراب مت کرنا "

وہ پاستے کا آٹا گوندھ رہی تھی۔ جانفشانی سے بنائی وہ ڈش دوپہر تک تیار تھی۔ ایک ٹرے میں ڈونگا رکھ کر، اچھے سے ڈھک کر وہ ماں کی نظر بچا کر باہر آئی اور ماہین کو اشارہ کیا۔

" چندا ایک کام کردو، یہ ابرار کو دے آؤ "

وہ جھجھکی تھی۔

آپی اتنی دوپہر کو امی جانے نہیں دیں گی۔ وہ کہتی ہیں اب تم بڑی ہو گئی ہو تو "

" باہر مت جایا کرو

" میری بہن نہیں ہو پھر "

اس نے لجاجت سے کہا تھا۔

" چاچی کو کہہ دینا اپنی کسی دوست کے گھر جا رہی ہو۔ پلیز ماہی، پانچ منٹ کا کام ہے۔ تم پھر میری سب سے اچھی کزن بھی تو ہو۔۔۔۔"

وہ بادل نخواستہ مان گئی تھی۔ مہر نے خوشی خوشی ٹرے اسے تھمائی تھی۔

ابرار کا گھر وہیں دو گلیاں چھوڑ کر تھا۔

گھر کے ساتھ ہی بیٹھک میں وہ اپنی دوکان کرتا تھا۔ درزی کا کام سیکھ چکا تھا اور اب اپنی دوکان چلاتا تھا۔ ہاتھ میں صفائی تھی تو اب اچھے گاہک آنے لگے تھے۔

گھر پہ اسکی ماں اور دادی کے علاوہ کوئی نہیں ہوتا تھا۔ باپ ریڑھی لگاتا تھا اور بھائی بیرونِ ملک روزی کمانے کے لیئے گئے ہوئے تھے۔

ماہین ٹرے لیکر پہنچی تو وہ اکیلا ہی تھا۔ سٹینڈ پہ کھڑا کپڑے استری کر رہا تھا۔

اسے دیکھا تو مسکرایا اور چہک کر پوچھا

" ارے ماہی آئی ہے، دیکھو تو۔۔۔۔ "

وہ شرمائی اور ٹرے اسکی طرف بڑھائی

" یہ مہر آپی نے بھیجا ہے "

اس نے آنکھیں موند کر ایک گہری سانس لی اور وہ خوشبو اپنے اندر اتاری تھی۔

" اوہ کتنی اچھی خوشبو ہے۔ آؤ، ساتھ میں کھاتے ہیں "

" نہیں ابرار بھائی مجھے جانا ہے، دیر ہوگئی تو امی غصہ کریں گی "

"کوئی بات نہیں یار، آؤ تو "

وہ وہیں ایک طرف رکھی کرسی پہ ٹِک گئی تھی۔ ابرار ڈونگا لیئے اسکے پاس ہی آ بیٹھا تھا۔ بھاپیں اڑاتے کھانے کی خوشبو سارے میں پھیلنے لگی تھی۔ اس نے اسے بغور دیکھا تو اسکے ماتھے پہ پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہو چکے تھے۔

آج گرمی کتنی زیادہ ہے ناں، ساری دھوپ اندر آ رہی ہے اور گرم لو۔۔۔۔ رکو میں " دروازہ بند کر دیتا ہوں

" ایک بات پوچھوں زیاد ؟؟؟؟ "

مرسلین نے اسے بغور دیکھا تھا۔ وہ منگنی کے بہت دن بعد آج اس سے ملنے کے لیئے آیا تھا۔

" ہاں بولو "

اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھا

" تو اس منگنی سے خوش نہیں ہے کیا ؟؟؟؟؟ "

زیاد نے اسے بغور دیکھا

" تجھے کیا لگتا ہے یار ؟؟؟؟؟ "

مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تبھی تو تجھ سے پوچھ رہا ہوں، کیا بات ہے ؟؟؟؟؟ "

"

وہ کچھ لمحوں تک خاموش رہا تھا

پتہ نہیں یار کیا بات ہے مجھے خود بھی نہیں پتہ۔ سوچتا ہوں آجکل کے دور میں " کون ایسے منگنی کرتا ہوگا ؟؟؟؟ ایک دن ماں باپ نے بتایا کہ تمہارا رشتہ کردیا ہے اور اگلے دن منگنی ہوگئی۔ وہ جو ہم سنتے ہیں کوئی ملا، اچھا لگا، محبت ہوئی، ایک دوسرے کو سمجھا، پھر بات آگے بڑھائی، وہ سب کہاں گیا ؟؟؟؟ یہ قدیم زمانوں " جیسا رشتہ---

مرسلین نے اسے بغور دیکھا

" تو تجھے کوئی اور پسند ہے ؟؟؟؟؟ "

" یہ بات نہیں ہے یار "

وہ بیزاری سے بولا

" لیکن مجھے وہ بھی پسند نہیں ہے۔ "

"کیوں ؟؟؟ "

اس نے کندھے اچکا دیئے۔

" کبھی کبھی لگتا ہے میں نے ابو کی بات مان کر غلطی کردی ہے "

وہ سلائی مشین کے پاس بیٹھی اشیاق سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کھانے کے بعد ہاتھ صاف کرتے ابرار نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"آپکو ساری سلائی آتی ہے ؟؟؟ "

" ہاں گڑیا، ساری سلائی آتی ہے "

" واؤ "

اس نے تعریفی نظروں سے اسے دیکھا

مجھے بھی بہت شوق ہے سلائی کرنے کا ابرار بھائی۔ لیکن امی کہتی ہیں بس "
" پڑھائی کرو، وہ مجھے یہ سب نہیں سیکھنے دیں گی

" اوہ تو یہ بات ہے "

وہ ہولے ہولے چلتا اسکے پاس آیا تھا۔ وہ ابھی تک سلائی مشین کے پاس بیٹھی اشتیاق سے اسے دیکھ رہی تھی۔

تو تم ایسا کرو میرے پاس سیکھنے کے لیئے آ جایا کرو، میں تمہیں ساری سلائی "
" سکھا دوں گا

وہ آہستگی سے اسکے پاس آ بیٹھا اور اسکے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیکر مشین کی ہتھی پہ رکھا تھا۔ اب وہ آہستہ آہستہ مشین چلانے لگا تھا یوں کہ ماہین کا ہاتھ اسکے ہاتھ کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اسکے دوسرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیکر وہ اس کی پشت پہ جھکا تھا۔

" میں تمہیں سب سکھا دوں گا۔ دیکھنا پھر تمہیں کتنی اچھی سلائی کرنی آ جائے گی "

ماہی نے اپنی گردن پہ وہ لمس محسوس کیئے تھے۔

رات بڑی ڈراؤنی تھی۔

بادل ایسے گرجتے تھے کہ خوف کے مارے کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ لمحہ لمحہ بجلی چمکتی تھی اور یوں لگتا کہ اپ ی زمین کو چھو لے گی۔ آندھی کے تھپیڑے ہر شے کو جڑ سے اکھیڑ دینے کو تیار تھے۔

وہ اپنا سیاہ چولہ پہنے، اس قبر کے گرد چکر کاٹ رہی تھی۔ دیپ تو کب کا بجھ چکا تھا۔ اسکی اب اسے پرواہ بھی نہیں تھی۔ اب جب اندھیروں سے دوستی کرنے کی ٹھان لی تھی تو روشنیوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔

وہ ضرور آئیں گے، جب کوئی انہیں پکارتا ہے، انہیں مدد کے لیئے آواز دیتا ہے "، تو وہ ضرور آتے ہیں۔ بس یہ یاد رکھنا کہ ہر شے کی ایک قیمت ہے۔ کہیں جسم

کہیں روح، کہیں خوشی، کہیں درد، کہیں اپنا آپ اور کہیں دوسروں کی قربانی دینی ہوتی ہے۔ تو کیا دے سکے گی ؟؟؟؟؟؟؟؟؟ "

اس نے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھ لیئے اور رفتار بڑھا دی تھی۔ بادل اب چھلنی ہو چکے تھے۔ بارش کی بوندیں زمین تک کا سفر طے کرنے لگی تھیں۔

" میں ہر قربانی کے لیئے تیار ہوں "

اس نے گہری سانس لی تھی۔ بارش زور پکڑنے لگی تھی۔ بادل کی گرج وہیں کی وہیں تھی۔ اس نے قبر کے پاس رکھے کٹورے کو اٹھایا تھا۔ اس میں وہ مکروہ رنگ کا مائع تیر رہا تھا۔ اونچی آواز میں جاپ دہراتے ہوئے اس نے وہ منہ سے لگا لیا تھا

میرے آقا اشطامان کہ بس وہ ہیں میرے اور میں انکی داس۔ میرے آقا۔۔۔۔ "

"

اس نے بجلی کو زمین تک پہنچتے دیکھا تھا۔ وہ قبر لمحوں میں پھٹ گئی تھی۔ وہ قبر کا جانور تھا جو اپنی نحوست بھری آواز میں رویا تھا۔

" میرے آقا آئیں اور مجھے اپنی غلامی میں لے لیں "

وہ پوری طرح بھیگ چکی تھی۔ آنکھیں موندے، سر اٹھائے وہ قبر کے پاس کھڑی تھی جب اس نے وہ لمس محسوس کیئے تھے۔ کوئی تھا، کوئی تو تھا جو وہاں تھا۔ اس نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ وہ احساس رینگتا ہوا اسے بدن پہ دور تک جا رہا تھا۔ بارش کے قطروں کے ساتھ ساتھ، تیزی سے۔

" سوال کیا ہے ؟؟؟؟؟ "

اس نے محسوس کیا کہ سوال ہوا تھا۔

" اذیت "

آنکھیں موندے موندے وہ ہولے سے بولی تھی

" اس سے زیادہ جو سہی جا چکی "

"اس سے زیادہ ممکن بھی ہے کیا؟؟؟؟؟؟"

"کہاں تھی تو اتنی دیر سے؟؟؟؟؟"

امی نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ ہونٹوں پہ زبان پھیرتی انہیں دیکھنے لگی

"وہ۔۔ میں۔۔۔۔ یہیں تو تھی"

یہاں کہاں؟؟؟؟ میں آوازیں دے دے کر تھک گئی، سارا گھر دیکھ لیا، ہر کونا" کھدرا"

انہوں نے اسے بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

"کہاں تھی تو سچ سچ بتانا؟؟؟"

وہ میں۔۔۔۔ یہیں تھی امی قسم سے۔۔۔ مہر آپی کے پاس تھی۔ ان سے سوال" سمجھنے گئی تھی"

وہ اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

" میں سچ کہہ رہی ہوں امی، چاہے تو ان سے پوچھ لیں، بلاؤں انہیں ؟؟؟؟؟ "

وہ اب سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھنے لگی تھی۔ انہوں نے لمبی سانس لی تھی۔

" جب سونیا کو تم لوگوں کا آنا جانا پسند نہیں تو کیوں جاتی ہو وہاں، خوامخواہ باتیں بناتی ہے وہ بعد میں۔ مت جایا کرو "

" کیوں نا جاؤں۔ مہر باجی اتنا پیار کرتی ہیں، مریم سے تو اچھی ہی ہیں۔ مجھے نہیں کہتی ہیں کچھ بھی "

" ماہی کبھی تو بات سن لیا کر۔۔۔۔ "

" ایسے ہی ہوتا ہے یار، جب کوئی نیا انسان ہماری زندگی میں آتا ہے تو پہلے پہل ہمارا ذہن اسکے وجود کو قبولنے سے انکاری رہتا ہے "

مرسلین رسان سے کہہ رہا تھا

میری جب رابعہ سے شادہ ہوئی تو مجھے بھی ایسے ہی لگتا تھا۔ دو انجان لوگ بھلے سے ایک رشتے میں بندھے ہوں لیکن انہیں دوست ہونے میں ایک وقت لگتا ہے۔ میں سمجھ رہا ہوں تیری حالت، تو ٹینشن مت لے۔"

اس نے زیاد کے لندھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

دیکھ یار، رشتہ بنا کیسے ہے یہ اہم نہیں ہوتا، بن گیا ہے تو نبھانا کیسے ہے، یہ زیادہ ضروری ہے۔ رشتہ جو بھی ہو، جیسے بھی بنا ہو، وہ محبت کا ہی ہوتا ہے۔ محبت پہلے ہو رشتہ بعد میں بنے یا محبت بعد میں ہو، محبت ہوتی ضرور ہے"

وہ گھر واپس آرہا تھا جب اسے راستے میں سڑک کے کنارے مریم دکھائی دی تھی۔

وہ پہلے تو آگے بڑھ گیا، پھر کچھ سوچ کر واپس پلٹا۔

"کیا ہوا ؟؟؟؟؟؟"

رکشے والا ٹائر بدلنے میں مصروف تھا۔

"اتنی گرمی ہے جی، ہر شے کو ہی موت آئی ہوئی ہے"

زیاد نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا جو رجسٹر سے پنکھا جھل رہی تھی۔

"آؤ، چلو"

اس نے سرسری سے لہجے میں کہا تھا۔

" ٹھٹھ۔۔۔۔ ٹھیک ہے زیاد بب۔۔۔۔۔۔ مطلب "

وہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ اس نے بائیک سٹارٹ کی۔

" بیٹھو۔۔۔۔۔ "

روز کے یہی ڈرامے ہیں اس منحوس کاشف کے، آج ٹائر پنکچر، کل چین کا "

" مسئلہ۔ بارہ کی چھٹی ہوئی اڑھائی تین بجے پہنچتی ہے میری بچی گھر

شہناز نے اسے روک لیا تھا۔

" مریم جلدی پانی لاؤ "

" نہیں چچی کوئی بات نہیں، میں گھر ہی جا رہا ہوں "

" ارے دو گھڑی سانس تو لو، پانی پی کر جانا "

پہلے کی بات اور تھی، اب وہ اس گھر کا ہونیوالا داماد تھا۔

مریم کمرے میں بستر پہ بیٹھی لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ لب آپوں آپ مسکرا پڑے تھے۔

"کیا ہو گیا ؟؟؟؟؟ "

اس نے حیرانی سے پوچھا۔

" یہ تو تم بتاؤ گی۔ آخر ہوا کیا ؟؟؟؟؟ "

دل بے ایمان۔

" مریم---- "

امی نے پھر سے آواز دی تھی۔ وہ "جی امی لائی "کہہ کر جلدی سے اٹھی تھی۔

وہ اسکے پاس ہی بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں

"گرمی تو مت پوچھو بیٹا، جہنم کا ایگزاسٹ کھل گیا ہے شائد ہم پہ---- "

اس دن وہ جاتا ہوا ان سے کہہ گیا تھا۔

" چچی رکشے والے کو منع کردیں، میں مریم کو خود کالج لے جایا کروں گا اور واپس بھی لے آیا کروں گا "

" پاستا کیسا لگا تمہیں ؟؟؟؟ "

" تم نے کچھ بنایا ہو اور مجھے اچھا نا لگے یہ کیسے ممکن ہے میری جان۔ جی کر رہا تھا تمہارے ہاتھ چوم لوں "

مہر وہ میسج پڑھ کر بہت دیر تک مسکرائی تھی۔

" باتیں بنوا لو تم سے جتنی مرضی "

" نہیں جناب ہم بس باتیں نہیں بناتے، تم جب چاہے پریکٹیکل کروا سکتی ہوں "

" شرم کرو "

" محبت میں کیسی شرم کیسی لجا یار "

ساتھ ہی دوسرا میسج آیا تھا۔

" تمہارے لیئے شرٹ سی ہے مہر، تم ماہین کو بھیج دینا، میں اسے دیدوں گا "

" اسکی کیا ضرورت تھی ابرار۔ تم میرے لیئے پیسے اور وقت برباد نا کیا کرو "

" برباد ؟ "

ساتھ ٹوٹے ہوئے دل کا ایمو جی تھا۔

" سنو !!!

تم میرے لیئے پیسے اور وقت سے زیادہ قیمتی زیادہ اہم ہو مہر۔ برباد وہ وقت ہوتا ہے ،جس میں تمہارا ساتھ، تمہاری یاد یا تمہارا کام نہیں ہوتا ہے۔ جو تم سے ہوتا ہوا گزرا " سمجھو وقت تو بس وہ محفوظ ہوا، وقت تو وہ یادگار ہوا، وقت تو بس وہی کارآمد تھا

وہ لیٹی ہوئی اس میسج کو پڑھتی جا رہی تھی۔ اسکے وجود پہ گزرے وقتوں کے وہ لمس سانسیں لینے لگے تھے۔

" ہرگز نہیں اماں "

سونیا نے تڑپ کر ماں کو دیکھا۔ وہ تکیئے سے ٹیک لگائے لمبے لمبے سانس لے رہی تھیں۔

" میں ایسا کچھ بھی ہونے نہیں دوں گی۔ جو کچھ بھی ہے، میرا ہے، میرے باپ کی جائیداد ہے۔ کسی کو بھی میں ایک پھوٹی کوڑی نہیں دوں گی "

" سس---- سونیا "

وہ بمشکل بول پائی تھیں۔

" وہ میری بیٹی کی---- یہ میرا حصہ ہے جس میں سے اسے دے رہی ہوں---- "

" تیرے برابر کا، تیری طرح---

" یہی تو کہہ رہی ہوں اماں، وہ میرے برابر کی ہے ہی نہیں۔ "

انہوں نے نفرت سے کہا اور رخ موڑ کر پاس بیٹھے شوہر کو دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ اشارہ ہوا تھا۔ وہ کاغذ تو پہلے سے تیار تھے۔ سعنیا نے ہی انکے سامنے وصیت کے کاغذ کو پھاڑ ڈالا تھا۔

" اب اور بے انصافی نہیں اماں۔ اب بس "

اس فالج زدہ ہاتھ سے دھڑا دھڑ انگوٹھے لگوا لیئے گئے تھے۔ وہ ماں اپنی اس اولاد کو دیکھتی رہ گئی۔ پہلے تو ان بوڑھی آنکھوں کو یقین ہی نہیں آیا تھا کہ وہ سب جو انہوں نے دیکھا حقیقت تھی۔ پھر جب پتہ چلا تو دیر ہو چکی تھی۔

"سس۔۔۔۔۔ سونیا۔۔۔۔۔ "

وہ لمس ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔

پانچواں باب
(زیادتی)

امی--- مجھے بچالیں ---- بہت درد ہے--- بہت تکلیف میں ہوں--- "

"امی---- امی----

وہ ماں کو امید بھری نظروں سے دیکھتا ہوا ہچکیوں سے رو رہا تھا۔ ایک مان کہ وہ ماں جو ہمیشہ ہر درد ہر تکلیف سے اسے بچاتی آئی ہے، ہر زخم کے لیئے مرحم بنتی آئی ہے، اب بھی اسے اس ایذا سے دور لے جائے گی۔

یہ دیکھیں--- یہ زخم، یہ میری جان نکال رہا ہے امی---- اس میں بہت " تکلیف ہے---- امی میں درد سے مر جاؤں گا---- امی مجھے بچا لیں----

امی۔۔۔۔ وہ مجھے کاٹ ڈالے گا، دیکھیں میری کھال کے اندر وہ آگ بھر رہا ہے۔۔۔۔ وہ بڑا بے رحم ہے امی۔۔۔۔۔ مجھے بچا لیں۔۔۔۔

وہ زیادہ بے بس نہیں تھا۔

بے بس وہ ماں تھی جسکے اختیار کا دائرہ سکڑتے سکڑتے اتنا سا رہ گیا تھا کہ اولاد کو رنج و الم سے بچائے رکھنا اس دائرے سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ بیچاری ماں جو اسکی پیٹ سے لگی، اسکے ماتھے پہ ہاتھ رکھے بے آواز رو رہی تھی۔

ان سے دور کھڑی اشطامان کی اس داس نے چہرے پہ آنچل کا کونا ڈال لیا تھا۔ وہ من ہی من خود سے پوچھنے لگی تھی

"کیا میں نے زیادتی تو نہیں کردی ؟؟؟؟؟ "

سونیا نے نفرت بھری نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

وہ ابھی ابھی آئی تھیں اور اب اماں کی چارپائی سے لگی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔

" آپ نے مجھے ایک بار پھر یتیم مسکین کردیا خالہ--- ایک بار پھر سے میری ماں میرا باپ اس دنیا سے چلے گئے---- اب کون رہ گیا میرے پاس ؟؟؟؟ اب کیا رہ گیا میرے پاس ؟؟؟؟؟ "

انہوں نے سر جھٹکا

" ہونہہ نرے ڈرامے۔ یہی ناٹک کرتے کرتے اس گھٹیا عورت نے میری ماں مجھ سے چھین لی "

وہ سورت یاسین لیئے بیٹھی تھیں۔

" تم نے بڑی زیادتی کی سونیا۔ تمہیں پتہ تھا وہ اس حال میں ہیں تو مجھے اطلاع تو کرتیں، آپسی نفرت اپنی جگہ، مائیں تو سانجھی ہوتی ہیں۔ میں انہیں آخری بار خدا حافظ تو کہہ دیتی "

" میں کیوں اطلاع دیتی ؟؟؟؟ غلام ہوں میں تیری ؟؟؟ "

وہ زہرخند لہجے میں بولی تھیں۔

اور بی بی وہ میری ماں تھی، اور میں نے انہیں خدا حافظ کہہ دیا۔ اب یہ مگرمچھ "
" کے آنسوؤں اور فضول کے ڈھکوسلوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے، سمجھیں

محلے کی ہی ایک عورت نے انہیں خاموش کروایا تھا۔

،بس بھی کرو تم دونوں، گھر میں میت پڑی ہے اور تم دونوں ایسے لڑ رہی ہو "
" شرم تو کرو

شرما شرمی میں ہی وہ چپ کر گئی تھیں ورنہ ارادہ تو انہیں بہت ذلیل کرنے کا تھا۔

مکار عورت، جانے کیا جادو کیا ہوا تھا میری ماں پر کہ انہیں اس فتنی کے علاوہ "
"کوئی نظر ہی نہیں آتا تھا۔

ابرار بھائی تو بہت اچھے ہیں مہر آپی۔ پتہ ہے اس دن انہوں نے مجھے سلائی " مشین بھی چلانے دی تھی اور وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے میری گڑیا کے لیئے کپڑے " سینا سیکھائیں گے

" ارے واہ "

مہر اور وہ دونوں نزدیکی سٹور تک آئی تھیں۔ مہر نے کچھ چیزیں خریدنا تھیں۔ یا پھر شائد وہ چیزیں بہانہ تھیں، اصل مدعا ابرار سے ملنا تھا۔

تم کیوں بلاوجہ اس سے فری ہو رہے ہو ؟؟؟ اس نے کسی سے ذکر کردیا تو "

" ؟؟؟؟

" لو جی الٹا تم مجھے کہہ رہی ہو "

اس نے برا سا منہ بنایا

اسے اعتبار میں بھی تو لینا ہے ناں۔ اسے پیار سے سمجھائیں گے، اپنے کاموں " " کے ساتھ ساتھ اسکی بھی دو تین باتیں مانیں گے تو ہی وہ ہمارے راز رکھے گی۔

مہر خاموش رہ گئی۔

" میں یہ سب ہمارے لیئے کرتا ہوں مہر، مجھے یہ ساتھ ہر شے سے بڑھ کر عزیز ہے "

اس نے ہولے سے اسکے گال کو لبوں سے چھو لیا تھا۔ وہ منظر جو ماہین نے کن انکھیوں سے دیکھ لیا تھا۔ وہ جو اس گیارہ بارہ سالہ بچی کے ذہن کے لیئے برائی نہیں تھا۔ اسی لیئے کہ اس کی بڑی بہن جیسی کزن اسے برا نہیں جان رہی تھی۔ وہ تو اسکے لیئے کسی کی بے تحاشا اور بے لوث محبت کی نشانی تھا۔

" ابرار بھائی بہت اچھے ہیں ناں آپی "

گھر واپسی پہ اس نے اسے کہا تھا۔ مہر مسکرا دی اور ہولے سے گال کو چھوا۔ اسکے لمس ابھی تک دہک رہے تھے۔

" ہاں بہت زیادہ "

زیاد کا مرسلین سے کوئی جھگڑا ہوا تھا۔

اُس سے پوچھتے تو وہ کہتا کہ زیادتی مرسلین نے کی ہے، یہی جواب اسکا زیاد کی بابت بھی ہوتا۔ حالانکہ بات زیادہ نہیں تھی۔

دونوں اکٹھے کاروبار شروع کر رہے تھے۔ زیاد نوکری کی تلاش سے تھک چکا تھا اور ہر صورت کوئی کام دھندا کرنا چاہتا تھا۔ مرسلین سے ذکر کیا تو بس وہ منصوبہ بن گیا۔ ففٹی ففٹی کی پارٹنر شپ۔ نفع اور نقصان کی برابری کی سانجھے داری۔

چار ماہ تو سب ٹھیک رہا۔ تھوڑا بہت نفع بھی ملتا رہا۔ پھر جب خسارہ بڑھنے لگا تو تفشیش ہوئی۔ اِس نے مرسلین سے بازپرس کی۔ وہ بھی ٹینشن میں تھا کہ اسکی بھی ساری جمع پونجی داؤ پہ لگی ہوئی تھی۔ بس یہیں سے غصے میں تو تو میں میں ہو گئی۔

اب جانے شروعات کس نے کی اور زیادتی کس نے، نتیجہ یہ نکلا کہ جھگڑا بڑھتا چلا گیا۔ ہاتھا پائی، گالم گلاچ اور گھٹیا الزامات۔

پرانی کہاوت ہے کہ سانجھے کی ہانڈی ہمیشہ چوراہے پہ پھوٹتی ہے۔

پھوٹ تو گئی تھی۔

بچپن کی دوستی یاری ختم۔ ملنا ملانا بند۔ وہ ساری چپقلش دونوں خاندانوں کے درمیان بنا اتنے سالوں کا رشتہ نگل گئی تھی۔

سارا کاروبار ہڑپ کرنے کی سوچ رہا تھا۔ میں کمینے کو بچپن سے جانتا ہوں امی۔ "

" بڑی پہنچی ہوئی چیز ہے یہ مرسلین۔ ہونہہ بڑا آیا میرا ہمدرد

" ایسے نہیں، تم غلط کر رہی ہوں میری جان، میں تمہیں سمجھاتا ہوں "

وہ میر کا ہی کوئی سندیسہ لیکر دوکان پہ آئی تھی۔ آج بھی دوکان پہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اسے رکنے کا کہہ کر باتیں کرنے لگا تو وہ سلائی مشین پہ جا بیٹھی

ایسے تو سوئی سے تمہارا نقصان ہو جائے گا ماہین۔ ٹھہرو، ہم اسے اچھے سے کرنا "

" سیکھتے ہیں

وہ دروازہ بند کر کے اسکے پاس آ بیٹھا اور مشین کا رخ اپنی طرف موڑ لیا۔

" تم ایسا کرو ادھر آؤ، یہاں میرے پاس۔۔۔۔ "

،وہ اسے گود میں بھر چکا تھا۔ وہ اسی شوق میں کہ گڑیا کی قمیض سلائی کرنا سیکھے گی وہ سب کرتی گئی۔

" یہ یہاں ایسے۔۔۔ ہاں بالکل، اور یہ دھاگہ۔۔۔۔ "

اسکے بازوؤں کو اپنے بازوؤں کے حصار میں لیئے، اسکے کندھے پہ اپنی ٹھوڑی رکھے وہ اس پہ جھکا ہوا تھا۔

" تمہاری خوشبو کتنی اچھی ہے ماہین۔ اور تمہارے بال۔۔۔۔ اف یہ کتنے خوبصورت ہیں۔ تم تو اپنی مہر آپی کی طرح ہی حسین ہو۔

وہ شرما گئی۔

" سچی ؟؟؟ مہر آپی تو بہت پیاری ہیں "

" تم بھی تو بہت پیاری ہو "

اسکی انگلیاں معصوم جسم پہ دور تک پھیلتی گئی تھیں۔ وہ اسکی گردن پہ لبوں کے نشان چھوڑتا رخسار تک آگیا تھا۔

اسکے لیئے یہ سب نیا نہیں تھا۔

،وہ کتنی بار مہر کو اسکے ساتھ ایسے دیکھ چکی تھی۔ اسکے کسی دوست کے فلیٹ پہ پارک میں، دوکان پہ جب وہ اسکے ساتھ ابرار سے ملنے آتی تھی۔ اپنے تئیں وہ اسے کسی کھلونے میں، لیپ ٹاپ پہ کارٹونز میں یا گڑیا کے کپڑوں میں مصروف کر دیتے تھے لیکن وہ بچی انھی اور بہری نہیں تھی۔ وہ سب دیکھتی تھی بھلے کن انکھیوں سے ہی لیکن وہ سب دیکھتی تھی۔ اسکے ذہن نے پیار اور محبت کے نام پہ وہی خاکہ بنا لیا تھا۔ اور وہ اب اسکے لیئے عام بات تھی۔ کوئی کسی کا فائدہ کیسے اٹھاتا ہے، اسے کسی نے بتایا اور نا ہی اسے پتہ چلا۔ کوئی بتاتا تو جان لیتی کہ ابرار نامی وہ شخص اسکی کزن کا فائدہ اٹھاتا آ رہا تھا۔ بالکل ویسے ہی جیسے وہ اسکا فائدہ اٹھانے لگا تھا۔

اردو ناول اور سٹوریز کی سب سے بڑی ویب سائٹ
www.urdunovelbank.com

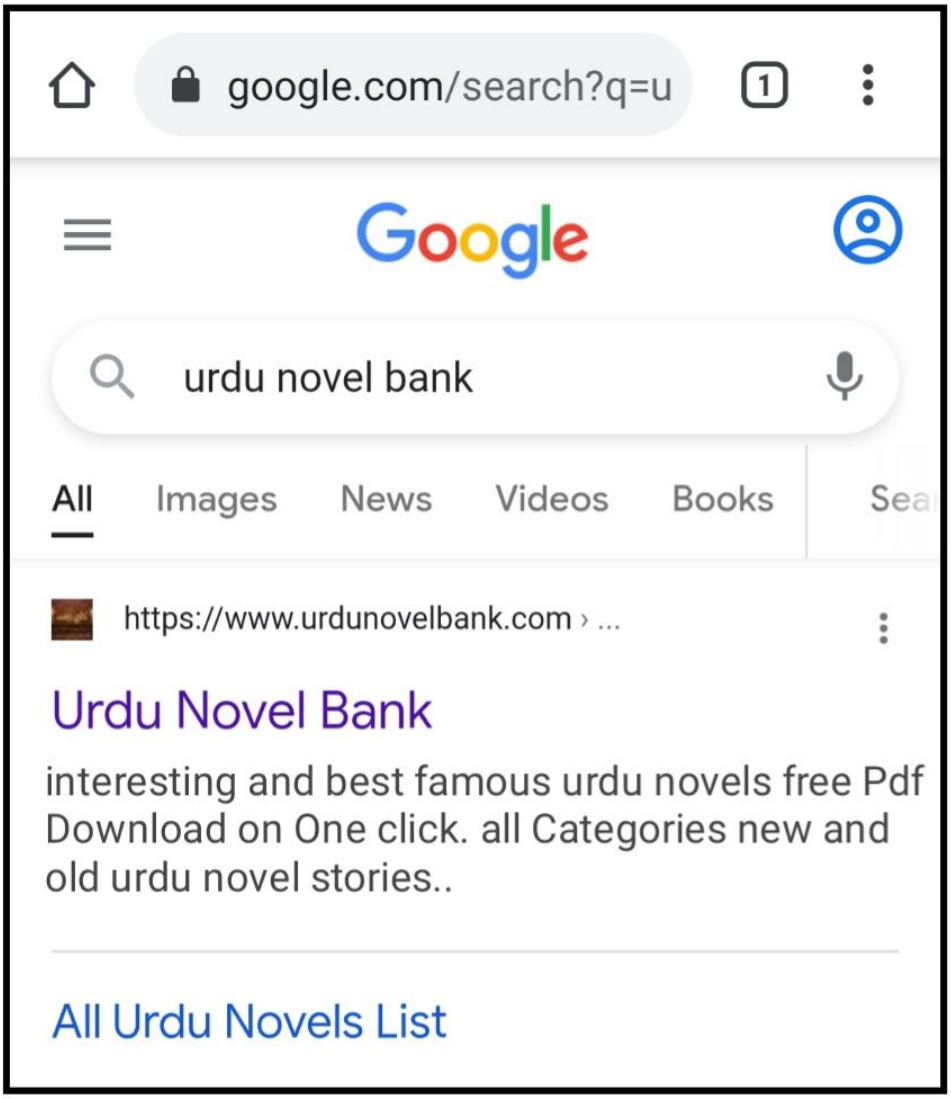

Urdu Novel Bank website
جہاں ملے آپ کو نئے اور اچھے معیاری ناول تمام کیٹگری میں۔۔۔
گوگل پر ٹائپ کریں
Urdu Novel Bank
اور ویب سائٹ سے ڈاؤنلوڈ کریں ہزاروں مکمل ناول مفت میں

اسے کالج چھوڑنا اور واپس لانا زیاد اپنے زمے لے چکا تھا اور اب وہ یہ زمہ داری پوری جانفشانی سے نبھا رہا تھا۔ روز اسکے تیار ہو کر گھر سے نکلنے سے پہلے وہ بائیک لیئے انتظار میں ہوتا تھا۔ وہ بہت دیر باہر نہیں آتی تھی تو اسے آواز دیتا تھا۔

" مریم۔۔۔۔۔ "

اسکی آواز میں اپنا نام سننے کو تو وہ دیر کرتی تھی۔ تیار شیار ہوئی بلاوجہ کمرے میں گھسی کتابوں کو اٹھاتی رکھتی رہتی جب تک وہ پکار نہیں سنائی دیتی تھی

" مریم ۔۔۔۔۔۔ "

اسے اپنا نام اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ نام جو وہ پکارتا تھا۔ وہ پکار جو بس ایک نام کی نہیں تھی۔ اس پکار میں ایک دنیا آباد ہوا کرتی تھی۔ ایک مان، اپنا پن، میٹھی سی جھنجھلاہٹ، تم زیادتی کرتی ہو یہ گلہ، اور اسکا نام

" باجی تم زیاد بھائی سے محبت کرتی ہو ؟؟؟؟ "

اس دن ماہی نے اسے چپکے چپکے مسکراتے ہوئے دروازے سے اندر آتے دیکھا تو پوچھا تھا۔ وہ ٹھٹھک گئی۔

" بے شرم تمہیں یہ کس نے کہا ؟؟؟؟؟ "

" بس مجھے پتہ ہے "

اس نے شان بے نیازی سے کندھے اچکا دیئے تھے۔

" مطلب بھی پتہ ہے اس لفظ کا تمہیں ؟؟؟؟ بڑی آئی دانشور۔۔۔۔ "

" مریم کن ہواؤں میں ہے آجکل ؟؟؟؟ "

کھانے کی میز پہ وہ دونوں ماں بیٹیاں ہی تھیں۔ ابو دوپہر میں کھانا نہیں کھاتے تھے۔ گرمی سردی بس یہی روٹین تھی۔

" بڑی اونچی ہواؤں میں ہے۔ "

مہر نے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔

اس کے تو مزاج ہی نہیں ملتے ہیں۔ اپنے اس بے روزگار دو کوڑی کے منگیتر "
کے ساتھ کھٹارہ بائیک پہ یوں بیٹھتی ہے جیسے نجانے کہاں کی مہارانی لگی ہوئی
" ہے۔ ایسے ہی ایٹی ٹیوڈ دکھاتی ہے ہر جگہ

وہ بولتی جا رہی تھی۔

اور تو اور امی ایسے اسکے ساتھ چپک کر بیٹھتی ہے۔۔۔ بے شرم کو کسی کی پرواہ "
بھی نہیں ہے۔ اس دن میں ابو کے ساتھ تھی اور وہ دونوں بائیک پہ آگے تھے۔

" یونہی چپکی رہی زیاد سے، ابو سے بھی حیا نہیں کی

" اولاد کس کی ہے پھر، اس بے حیا عورت کی "

مہر نے سر جھٹکا

مزاج تو بڑی بھابھی کے بھی نہیں ملتے اب۔ بہزاد نے گھر جو لے لیا ہے کالونی "
" میں، بیوی کو لیکر وہیں شفٹ ہو گیا ہے۔

" چھوٹی چچی کے پیسوں پہ عیش ہے "

"کرتے رہیں بھئی ہماری بلا سے۔ ہمیں تو خدا بچائے اس حرام کے پیسے سے "

سونیا نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

رات میں سونیا نے شوہر سے ذکر چھیڑا تھا۔

" بیٹی جوان ہو رہی ہے، اسکا کچھ سوچیں "

انہوں نے چونک کر بیوی کو دیکھا جو کہ انہیں ہی دیکھ رہی تھیں۔

ابھی کچھ دن پہلے تک تو تم ہی بچیوں کے اتنے جلدی رشتوں کی مخالف تھیں۔ "

" تم ہی کہہ رہی تھیں ناں کہ ابھی مہر کی عمر ہی کیا ہے ؟؟؟؟؟

آپ ہر بات میں طعنے دینے بیٹھ جایا کریں، خدا جانے یہ عادت کہاں سے پڑ گئی "

" ہے آپکو

وہ چوٹیا کرنے میں مصروف تھیں۔

اچھے رشتے ملتے ایک وقت نکل جاتا ہے مہر کے ابو۔ ابھی سے تلاش شروع کریں "
" گے تو اپنی بیٹی کے شایانِ شان کوئی مل پائے گا۔

" ہوں۔۔۔۔ "

وہ سوچ میں پڑ گئے

"کیا سوچ رہے ہیں "

سوچ رہا ہوں بھائی صاحب سے بات کروں۔ زیاد کی تو منگنی ہو گئی مگر شہزاد۔۔۔۔ "
"

" خبردار "

وہ فوراً بولی تھیں۔

سوچیئے گا بھی مت۔ جس گھر میں اس ناگن کی بیٹی جائے گی وہاں میں مہر کا "
" رشتہ مر کے بھی نہیں کروں گی

لیکن سونیا اس میں مضائقہ ہی کیا ہے ؟؟؟؟ زیاد سے زیادہ پڑھا لکھا اور سیٹلڈ "

" ہے شہزاد۔ تم خوامخواہ

" جو بھی ہو"

انہوں نے چٹیا پیچھے کی اور ان سے دو ٹوک لہجے میں کہا

" میں ہرگز مہر کا رشتہ وہاں نہیں کروں گی "

کہنے کو وقت بڑی دھیمی رفتار سے گزرا تھا پر دن کب مہینوں سے ہوتے ہوئے سال بن گئے تھے، پتہ ہی نہیں چلا تھا۔

زیاد نیا کاروبار شروع کر چکا تھا۔ خود سے، اکیلے۔ مرسلین سے اسکا میل جول اور بات چیت بند تھی۔ قریباً دو سال ہونے کو آئے تھے لیکن اس جھگڑے کے بعد سے پھر وہ اکٹھے نہیں ہوئے تھے۔

اسکی ذاتی زندگی میں بھی بڑی تبدیلیاں آئی تھیں۔ وہ لڑکی جسکے نام کا چھلہ اس نے انگلی میں پہن رکھا تھا، اسکے دل میں گھر کرنے لگی تھی۔ وہ شائد اسے اچھی لگنے لگی تھی کہ اسکی زمہ داریاں اٹھانا اسے اچھا لگنے لگا تھا۔

"امی میرے لیئے رشتے دیکھ رہی ہیں ابرار"

مہر نے پریشانی سے اسے دیکھا تھا

آئے روز کوئی دیکھنے کے لیئے آیا ہوتا ہے۔ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا ابرار، میں"

کب تک بلاوجہ ہر رشتے کے لیئے انکار کرتی رہوں گی ؟؟؟ آج یا کل وہ مجھ پہ سختی

"کریں گی اور تب بازی میرے ہاتھ سے نکل جائے گی

"تم پریشان مت ہو"

"میں کیسے پریشان نا ہوں ابرار ؟؟؟؟"

اسے تو نیا کھیل مل گیا تھا۔

" ماہین کو بھیج دینا، تمہارے لیئے ایک تحفہ خریدا ہے "

" مجھے تحفے نہیں چاہیئے ہیں ابرار، مجھے تم چاہیئے ہو۔ صرف تم "

ماہین خوشی خوشی جاتی تھی۔ اسے اتنی محبت سے وہ بلاتا تھا، باتیں بتاتا تھا اور چیزیں سکھاتا تھا۔

" تم اتنے دن بعد آئی ہو، اب تو پچھلا سب بھول گئی ہوں گی ؟؟؟؟؟ "

"کیا کروں ابرار بھائی، آپی نے بھیجا ہی نہیں "

" تو خود آ جاتیں، تمہیں آپی کی اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے "

پہلے تو عہ سب دوکان تک محدود تھا۔ بند دروازوں کے پیچھے سلائی کی آڑ میں وہ اپنا کھیل کھیلتا تھا۔ پھر باہر نکلنے لگے۔ بائیک پہ ساتھ، پارک میں، کبھی آئس کریم کے بہانے۔

تم کہو گے اتنا کیا بچپنا۔ کیوں ؟؟؟؟ کیوں نہیں ؟؟؟؟؟ تب تک بچپن جب تک بچپن۔ کوئی میرے بچپن میں نقب لگاتا ہے تو یہ اسکا قصور ہے، میرے بچپن کا اس میں کیا دوش ؟؟؟؟؟؟؟

اس دن وہ اسے فلیٹ پہ لے گیا۔

تمہاری مہر آپی کی سالگرہ ہے، اسے سرپرائز دینا ہے تو میرے ساتھ تیاریاں کروا دو "

"

اس نے جھوٹ بولنا اس دن سیکھا۔

" اپنی دوست کے گھر جا رہی ہوں۔ اسکی سالگرہ ہے تو تیاریاں کرنی ہیں امی۔ "

ابرار نے جھوٹ موٹ لڑکی کی آواز نکال کر ماں کو رام کر لیا۔ وہ خوشی سے اچھلتی رہی۔

" ابرار بھائی آپ کتنے جینئیس ہیں "

اسکے لیئے تو ایڈونچر تھا۔ ایڈونچر تو خیر ابرار کے لیئے بھی تھا۔ وہ بچپن کی آخری حدوں کے اس پار نئے سفر کو تیار بچی۔

"تمہارے لیئے ایک سوٹ سینا ہے۔ اپنا ناپ دیدو مجھے، اچھا سا سلائی کر دوں گا" کہاں کا سرپرائز، کیسی تیاری۔

اس دن گھر واپسی پہ اس بچی نے اپنی شلوار پہ جگہ جگہ وہ خون کے دھبے دیکھے تھے۔ اور وہ چیچپا مائع۔ اس لمحے وہ پریشان ہوئی تھی۔ میں کہوں گا تب۔۔۔۔۔ تب زیادتی ہوئی۔ اور سب سے بڑی یہ کہ اس معصوم سے اسکا بچپن چھین لیا گیا۔

اس دن مسجد میں اس آدمی کا چہرہ دیکھتے ہی میں اسے پہچان گیا تھا۔ حالانکہ مجھے تو یہ گمان تک نہیں تھا کہ میری یادوں کے پٹارے میں ایک یاد وہ بھی ہے۔ اتنے سالوں میں وہ پل مجھے کبھی یاد نہیں آیا اور نا ہی اس ایک لمحے کے ہونے کی کوئی

بازگشت سنائی دی۔ لیکن اس دن، اس دن وہ چہرہ دیکھتے ہی وہ سب باہر آگیا۔ کسی آتش فشاں کی طرح۔

میں نو دس سال کا تھا۔ تیسری چوتھی میں پڑھتا تھا۔ قرآن پاک پڑھنے مسجد جاتا ،تھا۔ وہی جو اس عمر میں نوے فیصد بچوں کا معمول ہے۔ صبح صبح ماما کا اٹھانا سیپارہ دیکر، سر پہ ٹوپی اور جاؤ پڑھ کر آؤ۔ وہ آنا جانا بڑی مِٹی مِٹی سی یادیں ہیں پر وہ ایک یاد ---

اس گلی کے شروع شروع کے وہ مکانات اور ان میں سے ایک وہ۔ اونچے سے دروازے والا وہ گھر جسکی تین سیڑھیاں تھیں۔

ہاں وہ یاد آیا جب وہ چہرہ دیکھا۔ ہوبہو وہی۔ ہاں۔ اور وہ چہرہ، وہ آنکھیں، وہ چہرے پہ پھیلی مسکان سی۔ وہی۔ ہاں وہی۔

اب یاد آیا اس نے مجھے پکارا تھا، آواز دیکر، پیار سے، پچکار کر۔ تم دس سال کے بچے کو بلاؤ گے اس لہجے میں کہ جسے وہ محبت سمجھتا ہے، وہ مڑ کر نہیں دیکھے گا

؟؟؟؟ نہیں پلٹے گا کیا ؟؟؟؟؟ تمہاری طرف نہیں بڑھے گا ؟؟؟؟؟ جو جو کہو گے نہیں کرے گا ؟؟؟؟؟ ماں باپ نے جو بھی پٹی پڑھائی ہوگی، وہ نہیں بھولے گا ؟؟؟؟؟؟؟؟

مجھے یاد آیا اس ایک لمحے میں کہ میں نے مڑ کر دیکھا تھا، پلٹا بھی تھا، اس نے جو کہا کیا بھی تھا۔

گلی سنسان تھی۔ خاموش بالکل۔ بس وہ تھا گھر کی سیڑھی پہ بیٹھا۔ ایک بچے کو آواز دیتا ہوا۔ کہتا ہوا بات سنو۔ پھر اسے پیار سے پچکار کر، نرمی سے گود میں بٹھا کر گال پہ بوسہ دیتا ہوا۔ اس نادان ذہن پہ وہ یاد بناتا ہوا۔ ساری زندگی کے لیئے اس جسم پہ وہ لمس چھوڑتا ہوا۔

مجھے وہ سب یاد نہیں تھا۔ کسی نے کیسے چھوا، کیسے پکارا، مجھے نہیں یاد تھا۔ کبھی یاد نہیں آیا۔ کئی سال گزرے، مدتیں ہوئیں، کئی بار میں اس گلی سی گزرا، اسی گھر

کے پاس سے، کبھی، کبھی وہ یاد نہیں آئی۔ کبھی سوچا ہی نہیں کہ یہاں کچھ ہوا بھی تھا۔

،یاد تب آیا جب وہ چہرہ دوبارہ دیکھا۔ کوئی دس بارہ سال بعد۔ میرا یقین کرو گے تب تب وہ لمس دہکے۔ تب ان نشانوں میں آگ لگی جو اس نے چھوڑے تھے۔ تب خبر ہوئی کہ تب ہوا کیا تھا۔

" زیادتی "

تمہارے لیئے ایک لفظ ہے، سہنے والوں کے لیئے ایک دنیا۔ بس یہ نہیں ہے کہ کسی نے تمہاری عزت لوٹ لی تو زیادتی ہوئی۔ مجھ سے پوچھو تو کسی نے تمہاری اجازت کے بغیر تمہاری طرف دیکھا بھی تو زیادتی کی۔ چھونا اور میلا کرنا تو بہت دور کی بات، تمہاری اجازت کے بغیر تمہیں پکارنا بھی زیادتی ہے۔

،میں نے اس شخص کو دیکھا، اسکے ساتھ ایک بچہ تھا۔ یقیناً اسکا بیٹا۔ وہ اسے پکارتا اسے گود میں بٹھاتا، اسے چومتا تھا۔ وہ ویسے نہیں تھا جیسے تب تھا۔ میں نے سوچا

اس بچے کو بھی کوئی ویسے ہی کبھی پکارے گا، گود میں بٹھائے گا اور چوم لے گا

؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟

میں اب اس گلی سے نہیں گزر پاتا ہوں۔ اس گھر کے پاس سے گزرتے ہوئے میرا دل بیٹھتا ہے۔ میں اب بھی اس آدمی کو کہیں دیکھتا ہوں تو مجھے ڈر لگتا ہے۔ میں کانوں پہ ہاتھ رکھ لیتا ہوں کہ کہیں وہ مجھے آواز نا دے لے۔ میں آج بھی کسی چھوٹے بچے کو پیار سے گود میں اٹھانا چاہوں تو وہ لمحہ مجھے ڈرا دیتا ہے۔ وہ شخص میرے بچوں جیسے بچوں کے لیئے میری محبتوں کو داغدار کر گیا ہے۔ شائد ساری زندگی کے لیئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

چھٹا باب

(زہر)

گھر آتے ہی وہ ماں سے چھپ چھپا غسل خانے میں گھس گئی تھی۔ خود بھی نہا دھو، کپڑے بھی رگڑ رگڑ کر صاف کر کے چپکے سے چھت پہ ڈال آئی تھی۔ نیا جوڑا بدل کے وہ سونے کے لیئے لیٹ گئی لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ذہن عجب مخمصے میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ جو کچھ ہو رہا تھا وہ اسے سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ کسی کو بتائے کہ نہیں، بتانا چاہیئے یا نہیں، وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ ایک بار تو سوچا مہر سے بات کرے، اسکے پورشن تک گئی بھی تھی لیکن پھر لوٹ آئی۔ اگر مہر آپی کو برا لگ گیا تو ؟؟؟ کیا پتہ انہیں غصہ آگیا تو ؟؟؟؟ ابرار بھائی نے " " بھی منع کیا تھا۔

شام گئے اتار کر واپس آ رہی تھی تو ماں نے دیکھ لیا

" یہ یونیفارم کب دھویا تو نے ؟؟؟؟ "

" وہ امی--- دوپہر کو، کل چاہیئے ناں مجھے پہننا ہے، گندا ہو گیا تھا "

اتنی جلدی گندا بھی کر لیا ؟؟؟ ابھی صبح تو نیا پہن کر گئی تھی کہ واپسی پہ "

" دوست کے گھر جانا ہے ؟؟؟

اس نے لبوں پہ زبان پھیری

ہاں وہیں تو گندا ہوا، کیک گر گیا تھا، اسکا رنگ نکل گیا۔ کیا امی تھانیدار بنی ہوئی "

" ہیں

وہ سیدھی کمرے میں گھس گئی تھی۔

" مجھے امی کو بتانا چاہیئے کیا ؟؟؟؟ "

اس نے دیر رات تک سوچا۔

" مریم باجی---- "

رات کو وہ دونوں بہنیں سونے کے لیئے لیٹی تھیں۔ اس نے ہولے سے اسے پکارا۔ وہ غنودگی کے عالم میں تھی۔

"کیا ہے ؟؟؟؟ "

وہ آپی۔۔۔۔ اگر کسی وجہ کے بغیر ہمارے خون آ جائے تو۔۔۔۔ اسکا کیا مطلب ہوتا ہے۔۔۔۔"

مریم نے اسکی طرف پشت لیکر کروٹ بدل لی۔

" تم بڑی ہو رہی ہو، یہ نارمل بات ہے۔ سو جاؤ "

فہمیدہ سونیا کی دور پار کی کزن تھیں۔ اس دن وہ ان سے ملنے آئی ہوئی تھیں۔ کافی دیر بیٹھی رہیں اور یہاں وہاں کی باتیں ہوتی رہی تھیں۔ دوپہر کو مہر کالج سے گھر لوٹی تو وہ دونوں برآمدے میں ہی بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں۔

" یہ میری بیٹی ہے فہمیدہ "

وہ تو سلام کر کے اندر چلی گئی۔

" ماشاءاللہ بڑی پیاری ہے۔ کہیں رشتہ وغیرہ کیا ہے ؟؟؟ "

سونیا نے لمبی سانس بھری

"کہاں فہمیدہ۔ بہت پریشان ہوں اسے لیکر "

"کیا ہو گیا ؟؟؟؟ "

ارے سال ہونے کو آیا ہے کوئی اچھا رشتہ نہیں مل رہا۔ ہر بار بات اتنے اچھے " سے آگے چلتی ہے اور درمیان میں کوئی نا کوئی بھانجی مار دیتا ہے۔ کئی بار تو اچھے " بھلے رشتے اس نے خود منع کر دیئے۔ میں تو فہمیدہ سچ میں بڑی پریشان ہوں۔۔۔

فہمیدہ انکے نزدیک ہوئی تھیں۔

" میں تو کہوں گی کسی نے کچھ کروا رکھا ہے بچی پہ "

وہ سائیں سے رہ گئیں۔

" یا میرے اللہ "

اور نہیں تو کیا۔ وہ راشدہ تھی ناں، ارے وہ رؤوف صاحب کی بیوی، ہاں اسکی " بیٹیوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ پتہ چلا جادو کروایا ہوا تھا۔"

سونیا نے سینے پہ ہاتھ رکھ لیا۔

ایک عامل ہیں میرے جاننے والے۔ بڑے پہنچے ہوئے ہیں۔ انکے پاس لے " چلتی ہوں تمہیں، کسی نے ضرور تمہاری زندگی میں زہر شامل کیا ہے، وہ کوئی نا کوئی حل ضرور نکال لیں گے، تم دیکھنا ---- انکے پاس ہر زہر کا تریاق موجود ہے"------

---

وہ تیز نظر اور گہری رنگت والا پکی عمر کا آدمی تھا۔ آنکھوں میں قدرے بھر بھر کے سرمہ لگایا ہوا تھا۔ تیل سے چپڑی زلفیں جن پہ ٹوپی ٹکائی ہوئی تھی۔گلے میں یہ موٹے موٹے موتیوں کی مالا اور آٹھ کی آٹھ انگلیوں میں بڑے بڑے پتھر جڑی انگوٹھیاں۔

" میاں کیا کرتا ہے تیرا ؟؟؟؟؟ "

سونیا بتانے لگی تھیں۔

"گھر میں کون کون ہے ؟؟؟؟ "

" بس میں، شوہر ہیں اور بیٹی "

" بس ؟؟؟ "

جی ہمارے پورشن میں بس یہی، باقی سب کے اپنے علیحدہ پورشن ہیں "

اس نے نظروں ہی نظروں میں انہیں دیکھا۔

" باقیوں سے تیری نہیں بنتی ناں ؟؟؟؟ "

وہ چپ رہ گئی۔

" وہ--- دراصل---- "

وہ پیچھے کو ہو بیٹھا۔

،بچی کی قمیض دے جانا۔ ساتھ میں بکری کی سِری، دو کالی مرغیاں، سیندور "
ایک جوتا، اور پانچ ہزار روپے موکلوں کے لیئے خوراک چاہیئے۔ میں حساب کر کے
" بتاؤں گا

انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

مہر کی بات سن کر اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

" میں نہیں جا سکتی مہر آپی "

وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

" لیکن کیوں ؟؟؟ "

میرا ٹیسٹ ہے آپی، ابھی بہت سارا پڑھنا ہے۔ میں ابرار بھائی کی طرف گئی تو "
" وقت ضائع ہوگا

" تو کیا ہوا، میں تیار کروا دوں گی ٹیسٹ تمہیں "

" سوری آپی "

" دیکھو ماہین بہن نہیں میری پھر ؟؟؟ "

اس نے پیار سے آگے بڑھ کر اسکی ٹھوڑی کو ہاتھ لگایا تھا۔

" اسے ضرورت ہے یار پیسوں کی، پلیز اسے دے آؤ۔ دیکھو وہ تمہارے ساتھ کتنا اچھا سلوک کرتا ہے، مدد کرتا ہے، اتنی محبت سے پیش آتا ہے۔ اب جب اسے مدد کی ضرورت ہے تو تم ایسے مت کرو"

وہ بادل نخواستہ جانے کے لیئے راضی ہوئی تھی۔

" انہیں کہیئے گا مجھ سے باہر ہی پیسے پکڑ لیں، میں دوکان میں نہیں جاؤں گی۔ "

" امی نے منع کیا ہے اکیلے جانے سے۔

" ہاں میں اسے میسج کردوں گی "

امی نے واقعی منع کیا تھا۔

ہمارے معاشرے کی ماں یہ تو اول دن سے کرتی ہے۔

باہر اجنبی سے بات نہیں کرنی، کسی سے کچھ لیکر کھانا نہیں ہے۔ لڑکی ہو تو "

" لڑکوں سے، آدمیوں سے دور رہو

دور رہنے کی نصیحت کرتے ہیں، کیوں دور رہنا ہے، یہ نہیں بتاتیں۔ اور یہ بھی نہیں بتاتیں کہ جو کوئی اپنا سا ہو، کوئی ایسا جو اجنبی کی گنتی میں نہیں آتا ہو اور بہت نزدیک آتا ہو تو تب کہاں جانا ہے۔

دوکان پہ حسبِ معمول کوئی بھی نہیں تھا۔ اب تھا نہیں یا اسکے آنے کا سن کر اس نے خالی کروا لی تھی، یہ خدا ہی جانتا تھا۔ اس نے دروازے پہ دستک دی تو وہ باہر آیا۔ اسے دیکھ کر مسکرایا

" ماہین، اتنے دنوں بعد آئی ہو ؟؟؟؟ "

اس نے مٹھی میں دبے نوٹ اسکی طرف بڑھا دیئے تھے۔

" اندر نہیں آؤ گی ؟؟؟؟ "

" نہیں مجھے جانا ہے "

" ماہین پلیز آ جاؤ ناں "

اس نے اسکی کلائی تھام لی تھی۔

ایسے مت کرو۔ دیکھو مجھے بھی کچھ اچھا نہیں لگے گا۔ تھوڑی دیر تو رکو، مجھے تم "

" سے باتیں کرنی ہیں، آؤ تو۔۔۔۔

وہ ایک بار پھر اسکے جال میں آ گئی تھی۔

مہر نے بے یقینی سے ماں کو دیکھا تھا۔

" امی۔۔۔ آپ کک کیسے۔۔۔۔ "

وہ بنا جواب دیئے اپنے کام میں مصروف رہی تھیں۔ وہ انکے پاس آ بیٹھی۔

آپکی ان سے چڑ، نفرت اپنی جگہ لیکن اس میں اتنا آگے جانا ٹھیک نہیں ہے۔ "

"آپ تعویذ کروا رہی ہیں ان پہ ؟؟؟؟ یہ گناہ ہے امی

" اور وہ جو یہ گناہ کر چکی ہے ؟؟؟؟؟ "

وہ فوراً بولی تھیں۔

آج میں گئی تھی ایک عامل کے پاس۔ فہمیدہ نے بتایا تھا مجھے کہ بہت پہنچا ہوا " ہے، بڑا غیبی علم ہے اسکے پاس۔ اس نے بتایا ہے سب۔ کہتا ہے بی بی تمہارے ہی خاندان کی عورت ہے جس نے تم پہ جادو کروایا ہوا ہے۔ تمہارا رشتہ بھی اسی

" نے باندھ دیا ہے مہر

وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

" امی ایسے کیسے۔۔۔۔ "

" ایسے ہی تو ہوتا ہے "

انہوں نے بات کاٹ دی

میں بھی کہوں اتنے سال ہو گئے، ایک بھی رشتہ ڈھنگ کا نہیں ملا۔ ہر بار کوئی " نا کوئی بات نکل آتی ہے، یہ کام ہی سیدھا نہیں ہو رہا۔ اب سمجھی ہوں کہ سیدھا " ہوتا بھی کیسے، اس زیریلی عورت نے دشمنی نکالی ہوئی ہے مجھ سے-----

" لیکن وہ ایسا کیوں کروائیں گی بھلا ؟؟؟؟ "

کیوں نہیں کروا سکتی ؟؟؟ وہ خوش کب ہوئی ہے ہمیں دیکھ کر ؟؟؟ جلن کی " ماری ہوئی، اول روز سے چڑتی ہے ہم سے۔ اس نے ہی کیا ہے۔ عامل صاحب " نے بتایا کہ بڑا سخت جادو ہے۔

مہر انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

اب تو دیکھنا، ایسا پلٹ وار کروں گی کہ اسکی سات نسلیں یاد رکھیں گی۔ جادوگرنی " کہیں کی----

---

" ماہی کہاں ہے امی ؟؟؟؟ "

مریم باورچی خانے میں پانی پینے کے لیئے آئی تھی۔ شہناز وہیں بیٹھی شام کے لیئے سبزی بنا رہی تھیں۔

" اپنی دوست کے گھر گئی ہے ہوم ورک کا پوچھنے "

" اسکا اپنی دوست کے گھر کچھ زیادہ ہی دل نہیں لگنے لگا ؟؟؟؟؟ "

پانی کی بوتل سے منہ لگا کر، غٹا غٹ پانی چڑھا کر اس نے بوتل واپس رکھی تھی۔

" نظر رکھیں لڑکی پہ، بڑی ہو رہی ہے "

انہوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا

اس دن مجھ سے پوچھ رہی تھی خون اور پتہ نہیں کیا کیا۔ کتنے سال کی ہے بھلا "

" یہ امی ؟ تیرہ ؟؟؟؟

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا

" ابھی سے پیریڈز ؟؟؟ "

انہوں نے لمبی سانس بھری

بات کیا کر بہن سے۔ یہی عمر ہے جب بہنوں کی ضرورت ہوتی ہے لڑکیوں کو۔ "
مجھ سے جھجھک جاتی ہے تبھی مجھ سے ذکر نہیں کیا۔ یونیفارم بھی خود ہی دھونے
" لگی ہے۔

اس نے ہنکارہ بھرا

"آتی ہے تو پوچھتی ہوں "

ہاں زرا آرام سے، پیار سے بات کرنا۔ ہر وقت زہریلی ناگنیں مت بنی رہا کرو "
" دونوں۔ بہنیں ہو، سلوک سے رہا کرو۔۔۔۔۔

" اچھا ناں "

اس نے بیزاری سے کہا تھا

" مجھے تم بہت اچھی لگنے لگی ہو ماہین۔ تمہیں پتہ ہے اسے محبت ہونا کہتے ہیں "

اس دن مہر نے اسے پھر سے کام کا کہہ کر ابرار کی طرف بھیج دیا تھا۔ وہی تحائف کا ادل بدل ہونا۔ وہی جو اتنے سالوں سے ہو رہا تھا۔ اسکے ہر بہانے کو مہر نے چٹکیوں میں اڑا دیا تھا۔

" تم مجھ سے دور کیوں بھاگ رہی ہو ماہی ؟؟؟؟ "

وہ اسے بہانے سے فلیٹ پہ لے آیا تھا۔

" میں تم سے دوری اختیار نہیں کر سکتا۔ کیوں کرتی ہو ایسے میرے ساتھ ؟؟؟ میری کوئی بات بری لگی ہے تو مجھے بتا دو، لیکن یوں بے رخی تو مت اختیار کرو، یہ جدائی کا زہر ہمارے رشتے میں مت گھولو ماہی "

"آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں ابرار بھائی "

اس نے آگے بڑھ کر اسکے دونوں ہاتھ تھام لیئے تھے۔

" مجھے خود بھی نہیں پتہ ماہی۔ میرا خود پہ اختیار نہیں رہا ہے۔ میں بس تمہارے بارے میں سوچتا رہتا ہوں ماہین۔ میں سچ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں "

اسے کھینچ کر وہ اپنے سینے سے لگا چکا تھا۔ وہ اسکے جسم میں دوڑتی توانیاں محسوس کر سکتی تھیں۔

"آپ مہر آپی سے محبت کرتے ہیں "

" میں بس تم سے محبت کرتا ہوں۔ "

اس نے ہولے سے اسکے چہرے کو ہاتھوں میں لیا۔

" تم بتاؤ، تمہیں میں اچھا نہیں لگتا ہوں ؟؟؟؟ "

"لگتے ہیں "

" پھر ؟؟؟؟ "

وہ چپ رہ گئی۔ اس نے نرمی سے اسکے چہرے پہ اپنے لبوں کے نشان چھوڑے تھے۔

پھر بس یہ کرو کہ بس تم مجھ سے محبت کرو۔ میں تمہیں بہت خوش رکھوں گا۔ "

" تم میری بن جاؤ۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ کتنے خوش رہیں گے پتہ ہے۔

وہ یقیناً اپنے آپے میں نہیں تھا۔

" مجھے اب گھر جانا ہے ابرار بھائی "

بہت دیر تک وہ اسے پاس بٹھائے باتیں کرتا رہا تھا۔ اس نے وقت دیکھا تو معلوم پڑا کہ بہت دیر ہو چکی تھی

" اتنی جلدی بھی کیا ہے، تھوڑی دیر تو بیٹھو "

" امی غصہ ہوتی ہیں۔ میں بس آدھے گھنٹے کا بول کر آئی تھی ان سے "

" تھوڑی دیر بس اور، میں تمہیں گھر چھوڑ دوں گا "

وہ نرمی سے بولا تھا۔

مریم آج کالج نہیں گئی تھی تو اسے واپس لینے کا مسئلہ نہیں تھا۔ زیاد دیر گئے آفس سے نکلا تھا۔ امی نے دو تین چیزیں لانے کا کہا تھا تو اسی لیئے سٹور پہ رک

گیا تھا۔ مطلوبہ سامان لیکر وہ نکلا تو اس نے اس بلڈنگ سے اس جوڑے کو نکلتے دیکھا تھا۔

" ماہین ؟؟؟؟؟ "

اس نے حیرانی سے سوچا۔ اسکے ساتھ وہ لڑکا تھا۔ زیاد اسے بھی پہچان چکا تھا۔ وہ انکے ہی محلے میں رہتا تھا اور درزی کا کام کرتا تھا۔ وہ اب اسکے ساتھ بائیک پہ بیٹھ چکی تھی۔ زیاد نے جلدی سے ہیلمٹ پہنا اور ان سے کچھ فاصلے پہ بائیک چلاتے پیچھا کرتا رہا تھا۔

اسکا شک صحیح تھا۔

وہ وہی تھے۔

انکی بائیک گھر سے کچھ دور رکی تو اس نے بھی بائیک اوٹ میں کر کے روک لی تھی۔ وہ باحیک سے اتر چکی تھی۔ اس لڑکے نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنے نزدیک کیا تھا۔ دور ہونے کی وجہ سے وہ انکی باتیں نہیں سن سکا تھا لیکن وہ منظر دیکھ لیا

تھا جسے دیکھ کر وہ سُن رہ گیا تھا۔ اسکے ہونٹوں پہ اپنے نشان چھوڑتا وہ بائیک سٹارٹ کر چکا تھا۔

زیاد نے بغور دیکھا۔

اسکے چہرے پہ وہ زہریلی مسکراہٹ تھی۔

ساتواں باب

(بازی)

اس عامل نے اپنے سر کو اِدھر اُدھر جھٹکے دیئے اور کچھ پڑھنے لگا۔ اسکے سامنے رکھی رکابی سے مسلسل دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس تکلیف دہ بُو کا منبع شاید وہی دھواں تھا۔

تجھ پہ جادو کیا گیا ہے، تیرے خاندان پہ۔ بڑا سخت جادو ہے، بہت زیادہ "
" خطرناک۔

اس نے آنکھوں کو پھیلا کر اسے اطلاع دی تھی۔

اسکا توڑ ہر کسی کے پاس نہیں ہوتا ہے، یہ بہت مشکل کام ہے، اسے کرنے "
"میں بڑی محنت لگتی ہے اور وقت۔۔۔

" میں سب کرنے کو تیار ہوں "

اس نے سپاٹ چہرے سے اسے دیکھا

پرانے زمانے کی کسی روح سے مدد لینی ہوگی۔ اسے بلائے گی تو وہ سب سے "
" پہلے تجھے ہی برباد کرے گی

وہ طنزیہ سا ہنسی تھی۔

برباد ۔۔۔۔۔ وہ تو آباد کو کیا جاتا ہے ناں۔ پہلے سے کھنڈر کو کوئی کیا کھنڈر بنائے "
"گا بابا جی

اس عامل نے پھر سے سر کو یہاں وہاں جھٹکے دیئے تھے۔ زیر لب کچھ پڑھتے ہوئے وہ مٹھی میں بھری مٹی کو اس رکابی میں ڈالتا جا رہا تھا۔

" میں سب کچھ کرنے کا تیار ہوں، روپیہ پیسہ وقت محنت کچھ بھی کہیں، میں کرنے کو تیار ہوں۔ بس میرے ہاتھ میرے دشمن کی گردن تک پہنچ جائیں۔ بس بازی پلٹ جائے۔۔۔۔ "

اس دن شام کو زیاد بنا بتائے آگیا تھا۔ شہناز بیگم نے تو جلدی سے کمرے میں بکھری چیزیں سمیٹی تھیں۔

" ارے بیٹا آؤ آؤ۔۔۔۔۔ "

وہ دروازے میں ہی کھڑا رہا

" ماہین ہے گھر پہ ؟؟؟؟ "

" ہاں، ابھی تو گئی ہے میرے پاس سے اٹھ کر "

اسے بلا دیں گی ؟ میں زرا باہر جا رہا تھا، سوچا اسے بھی ساتھ لے جاؤں، آئس "
"کریم کھلا لاتا ہوں

وہ ہنس پڑی تھیں۔

ہاں لے جاؤ ویسے بھی دوپہر سے سست سست سی ہو رہی ہے۔ باہر جائے "
"گی تو دل بہل جائے گا اسکا

مہر نے انہیں بغور دیکھا۔

وہ ان پرچیوں کو چمڑے کے ٹکڑوں میں سینے میں مصروف تھیں۔

"کیا کرتی رہتی ہیں سارا وقت ؟؟؟ کس معرکے پہ ہیں آپ ؟؟؟؟؟ "
" جب فتح ملے گی ناں تب یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ کونسی جنگ لڑ رہی تھی "

امی بلاوجہ فہمیدہ خالہ آپکو وہم میں ڈال گئی ہیں۔ مجھے تو یہ بابے بھی فراڈ لگتے "
ہیں۔ دو مہینے سے وہ بھی آپکو بیوقوف ہی بنا رہا ہے، بس پیسے بٹورنے میں لگا ہوا
" ہے

" چپ کرو "

انہوں نے اسے ڈپٹ کر کہا تھا

پتہ ہے وہ کتنے پہنچے ہوئے عالم ہیں ؟ اتنا علم ہے انکے پاس۔ پہلے دن ہی مجھے "
دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ کس کس نے اور کیا کیا جادو کروایا گیا ہے مجھ پر۔ وہ وہ
باتیں بتائی ہیں جو بس میں جانتی تھی یا میرا خدا۔ ہر ایک کے بارے میں منہ بھر
"کر بکواس نہیں کر دیتے، سمجھی ؟؟؟؟

اس نے برا سا منہ بنایا تھا۔

جادو کو جادو ہی کاٹتا ہے میری معصوم بچی۔ جیسے زہر کا توڑ زہر ہے، ویسے ہی۔ "
انہوں نے تعویذ دیئے ہیں۔ دیکھنا اب یہ سارے گندے اثرات ہمارے گھر سے
" اسی جادوگرنی کے گھر منتقل ہو جائیں گے۔
وہ پھر سے اپنے کام میں لگ گئی تھیں۔

ماہین کی اسکے ساتھ آنے کی مرضی نہیں تھی لیکن امی نے اتنی زور سے ڈپٹا تھا کہ
اسے جانا پڑا۔
" وہ اتنی چاہت سے آیا ہے بد لحاظ لڑکی اور تیرے نخرے ہی ختم نہیں ہو رہے "
" میرا جانے کا دل نہیں کر رہا ناں "
دل نہیں کر رہا۔۔۔ اچھا، ابھی میں دیکھتی اپنی کسی دوست کے گھر جانا ہوتا تو تُو "
"کیسے دوڑی جاتی۔ چل اٹھ
بادل نخواستہ اسے تیار کروا کے اسکے ساتھ بھیجا تھا۔

وہ بھائی کی جگہ ہے بیٹا، اب تو دوہرا دوہرا رشتہ ہے۔ ایسے بے اعتنائی نہیں "

" برتتے ہیں۔

وہ اسے آئس کریم دلوا کر پارک میں لے آیا تھا۔ اب وہ کپ ہاتھ میں لیئے، اسکے پاس بینچ پہ بیٹھی تھی۔ زیاد نے اسے بغور دیکھا۔

" پڑھائی کیسی چل رہی ہے تمہاری ؟؟؟ "

" ٹھیک جا رہی ہے بھائی "

" اچھی بات ہے "

وہ پھر سے سر جھکا کر کھانے لگی تھی۔

" اچھا ایک بتاؤ گی سچ سچ ؟؟ "

" جی پوچھیں "

" دیکھو ماہین مجھ سے جھوٹ مت بولنا "

ماہین نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

" میں جھوٹ کیوں بولوں گی ؟؟؟؟؟ "

زیاد کچھ دیر خاموش رہا تھا۔

" اس درزی لڑکے کو کیسے جانتی ہو ؟؟؟؟؟؟ "

وہ ایک لمحے کو خاموش رہ گئی تھی۔ سارے جسم کا خون اسکے چہرے پہ آن رکا تھا۔

لمحوں میں وہ سرخ سے سیاہ پڑتی چلی گئی تھی۔

"ککک۔۔۔۔ کونسا ۔۔۔ کس کی بات کر رہے ہیں۔۔۔۔ زز۔۔۔ زیاد بھا۔۔۔۔ "

" میں نے کہا تھا سچ بولنا ماہین "

وہ سرد لہجے میں بول رہا تھا۔

" میں سچ ہی بول رہی ہوں "

اس نے بمشکل کہا تھا۔

" میں کسی درزی کو نہیں جانتی ہوں "

جواباً زیاد نے اپنا فون نکالا اور اسکے سامنے اکرہن کی تھی۔ وہاں اسکی اور ابرار کی تصویر تھی۔ وہ اسکا ہاتھ پکڑے کھڑا تھا۔ اگلی تصویر میں وہ اسکی دوکان میں داخل ہو رہی تھی۔ ایک تصویر میں وہ اسکے ساتھ پارک میں بیٹھی تھی۔

اب کی بار وہ ایسے دکھائی دینے لگی تھی جیسے کسی نے اسکے سارے جسم سے خون نچوڑ لیا ہو۔ وہ سکتے کی سی حالت میں بیٹھی رہ گئی تھی۔

" پھر سے پوچھ رہا ہوں ماہی، اس درزی لڑکے کو کیسے جانتی ہو ؟؟؟؟؟؟؟ "

مہر کے تو ہوش اڑ گئے تھے۔

آپی مجھے بچا لیں، وہ بہت غصے میں تھے۔ انہوں نے اگر کسی کو بتا دیا تو۔۔۔۔ "

"آپی پلیز۔۔۔۔

وہ روتے ہوئے اسکی منتیں کر رہی تھی اور اسے اپنی عزت کے لالے پڑ چکے تھے۔

ماہین پکڑی جاتی تو یقیناً وہ اسکا نام لیتی اور یوں اسکا سچ سب کے سامنے آ جاتا۔

زیاد ابرار تک پہنچ جاتا تب بھی بدنامی اسکی ہی ہوتی۔ ہر طرح سے وہی پھنستی تھی۔

" وہ بہت غصے میں تھے۔ مجھے اتنا ڈانٹا۔۔۔۔۔۔ "

" اچھا رونا تو بند کرو۔ میں کرتی ہوں کچھ۔ تم ابھی کسی سے کوئی بات نہیں کرنا "

" مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے آپی "

دہشت سے تو وہ خود بھی کانپ اٹھی تھی۔ یہ سارا معاملہ یوں بگڑ جائے گا یہ تو اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

اسی دن کالج سے واپسی پہ دوست کے گھر کا بہانہ بنا کر وہ ابرار کے پاس گئی تھی۔ ساری بات اسے بتائی تو اسے بھی طوطے اڑ گئے تھے۔ بات صرف آنکھ مٹکے تک رہتی تو اتنی بڑی نہیں تھی، لیکن جو کچھ وہ ماہین کے ساتھ کرتا آیا تھا اگر وہ سب کے سامنے آ جاتا تو وہ کہیں کا نہیں رہتا۔

" ہم اب کیا کریں ابرار "

وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔

" وہ بیوقوف لڑکی ہم دونوں کا نام لیکر ہماری عزت خراب کردے گی۔ "

" یہ تم زیاد سے کچھ زیادہ ہی فری نہیں ہو گئیں آج کل ؟؟؟؟؟ "

مریم نے اسے کڑے تیوروں سے دیکھا تھا۔

" آئے روز آؤٹنگ، آئس کریم، پزا شاپنگ، سچ بتانا تم فرمائشیں کرتی رہتی ہو ناں ان سے ؟؟؟؟؟؟ "

وہ ہولے سے نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔ امی نے گیری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

" ،مت کیا کرو، انکا کاروبار ویسے بھی ٹھیک نہیں چل رہا۔ خسارے میں جا رہا ہے پیسوں کی تو ویسے ہی ضرورت رہتی ہے انہیں "

" تو آپ منع کر دیا کریں۔ تب تو منہ میں زبان نہیں ہوتی آپ کے "

مریم نے غصے سے اسے دیکھا

" بدتمیز، تمیز نہیں ہے بڑی بہن سے بات کرنے کی ؟؟؟؟ "

ماہین رن فن کرتی کمرے سے نکل گئی تھی۔ وہ پیچھے بکتی جھکتی رہ گئی تھی۔

" کیوں لڑتی ہو بہن سے ؟؟؟؟ "

" اسے نہیں دیکھ رہیں کیسے بات بے بات چڑتی ہے، بلاوجہ غصہ کرتی ہے "

وہ مسکرا دیں

عمر ہے اسکی یہ، اس عمر میں یہی ہوتا ہے۔ اپنا نہیں یاد تجھے کیسی چڑچڑی "

" ہوئی رہتی تھی تو ان دنوں۔

وہ چپ رہ گئی۔

" بہن ہے بیٹا، اور وہ بھی چھوٹی۔ اسے بھی میں سمجھاؤں گی۔ "

" ایک راستہ ہے میرے پاس اس سب سے نکلنے کا مہر "

" وہ کیا ؟؟؟ "

ہم بھاگ چلتے ہیں یہاں سے۔ میرا ایک دوست ہے دوبئی میں، بہت عرصے "
" سے مجھے آنے کو کہہ رہا ہے، اسکے پاس چلے جائیں گے

مہر سارا راستہ اسکے اس مشورے کے بارے میں ہی سوچتی رہی تھی۔ گھر پہنچی تو امی بہت خوش تھیں۔

وہ جو پچھلے ہفتے آئے تھے ناں رشتے والے تجھے دیکھنے، ارے وہی جنکی لاہور میں "
" چار کوٹھیاں ہیں، انہوں نے ہاں کردی ہے

وہ پیر لٹکا کر چارپائی پہ بیٹھ گئی

لڑکا باہر جانے کا سوچ رہا ہے، اس کے جانے سے پہلے وہ شادی کا کہہ رہے "
" ہیں۔ پھر دونوں کو اکٹھے بھیج دیں گے۔ وہ بتا رہی تھی وہاں بھی انکے گھر اور سٹور ہیں۔

وہ اسے خوشی خوشی بتا رہی تھیں۔

" ،اللہ مہر۔۔۔ کتنا اچھا ہوگا ناں "

وہ خاموش بیٹھی رہی۔

"میں تو کہتی ہوں پیر صاحب کے تعویذ کی برکت ہے۔ دیکھ کیسے سارے راستے آسان ہو گئے ہیں۔ کل جاؤں گی انکو سلام کر کے آؤں گی"

وہ اپنی کہتی جا رہی تھیں۔

"زیاد بھائی میری بات کا یقین کریں میرا ان سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ وہ اور آپی مہر، ان دونوں کی آپس میں دوستی ہے۔ وہ ان سے ملنے جاتی تھیں تو مجھے بھی ساتھ لے جاتی تھیں۔ انکی شاپ پہ بھی میں بس آپی کی چیزیں ہی پہنچانے جاتی تھی۔ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ مجھے بہن سمجھتے ہیں"

زیاد طنزیہ ہنسا

"بہنوں کے ساتھ کوئی بھی یوں سرعام وہ سب نہیں کرتا جو وہ کرتا ہے تمہارے ساتھ۔"

اس نے سخت نظروں سے اسے دیکھا

"اسے بھی دیکھ لوں گا میں اور مہر کو بھی۔ تب تک خبردار جو تم دوبارہ اسکے پاس گئیں۔ میں ٹانگیں توڑ دوں گا تمہاری۔ سمجھ گئیں ؟؟؟؟؟؟"

وہ واپسی پہ سارا راستہ دہشت سے کانپتی رہی تھی۔ گھر جا کر بھی سیدھا واش روم میں گھس گئی اور دیر تک وہیں بیٹھی روتی رہی تھی۔ ساری رات کروٹیں بدلتے گزر گئی اور صبح وہ بخار میں تپ رہی تھی۔ پیٹ میں جیسے گرہیں سی پڑ رہی تھیں۔ دن چڑھے امی اسے لیکر ڈاکٹر کے پاس آئی تھیں۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے، پیریڈز شروع ہو رہے ہیں تو اسی وجہ سے تکلیف ہے۔"

وہ کسی کو کچھ بتاتی تو کوئی جان پاتا

"پریشان مت رہا کرو، خوش رہا کرو۔ تم تو ماشاءاللہ اتنی پیاری سی لڑکی ہو۔ اب بڑی ہو گئی ہو، سمجھدار ہو جاؤ"

ہمارے معاشرے میں بڑا ہو جانا ہی تو سب سے بڑی پریشانی کی بات ہے۔

سونیا رات دیر تک اسکے پاس بیٹھی رہیں، اسے سمجھاتی رہیں۔ جسمانی تبدیلیوں کے بارے میں، وہ سب جو عمر کے ساتھ ساتھ تھا۔

اب اس بچی نے جانا تھا کہ ابرار نامی وہ شخص اسکے ساتھ کیا کیا کچھ کر چکا تھا۔

مہر بیوقوف ہرگز نہیں تھی۔

وہ جانتی تھی ابرار نامی وہ شخص اسکا ایک حسین خواب تو ہو سکتا لیکن اسکی تعبیر ہمیشہ بھانک ہی رہنی تھی۔ وہ جانتی تھی اسکے ساتھ گھر سے بھاگ جانے کا مطلب بھی کیا تھا۔ اپنے ماں باپ سے ہمیشہ کے لیئے اپنا رشتہ ختم کرنا۔ وہ یہ بھی اچھے سے جانتی تھی کہ وہ اسے زندگی میں کیا دے سکتا تھا۔

اور یہ کہ وہ رشتہ اسکی زندگی میں کیا کیا کر سکتا تھا۔

اس شام وہ سارے فیصلے کر چکی تھی۔ موبائل سے سم نکال کر اس نے توڑ دی تھی۔ ابرار کی دی ہر شے اٹھا کر کوڑے کے ڈھیر پہ پھینک آئی تھی۔ رات میں امی کے پاس آئی تھی۔

" مجھے رشتہ منظور ہے امی، آپ ان لوگوں کو ہاں کہہ دیں "

وہ خوشی سے نہال ہو گئی

" ابو مجھے نئی سم لا دیں۔ اس نمبر پہ بہت رونگ نمبر آنے لگے ہیں "

ابرار نامی اس مہرے کو ایک ہی چال میں مات دیکر وہ بازی کا رخ اپنی جیت کی اور موڑ چکی تھی۔

" میری بات غور سے سننا ماہین۔ "

اس دن وہ چہل قدمی کے لیئے چھت پہ آئی تھی۔ زیاد اپنی چھت پہ ٹہل رہا تھا۔ اسے دیکھا تو منڈیر پھلانگتا اسکے پاس آگیا تھا۔

تم کسی کو بھی اپنی جھوٹی سچی کہانی سنا کر رام کر سکتی ہو لیکن مجھ سے جھوٹ " نہیں بول سکتیں۔ میں سب جانتا ہوں کہ اس لڑکے کے ساتھ تمہارا چکر تھا۔

" اس درزی لڑکے نے سب کچھ اگل دیا ہے کہ تم نے اور اس نے کیا کیا ہے

ماہین کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔

" زیاد بھائی میری بات۔۔۔۔۔۔ "

" تم میری بات سنو "

اس نے اسکی بات کاٹ دی تھی۔

" مجھے دس لاکھ روپے چاہیئے ہیں "

وہ دھک سے رہ گئی تھی۔

"تین دن کے اندر اندر ورنہ تم جانتی ہو میں کیا کچھ کر سکتا ہوں۔ "

وہ حق دق کھڑی رہ گئی تھی۔

بیوقوف زیاد بھی نہیں تھا۔

وہ اس دن آفس سے ہی آ رہا تھا۔ اسکا کاروبار مسلسل خسارے میں جا رہا تھا۔ اپنی ساری جمع پونجی، ادھار، ابو سے مدد کا سارا پیسہ اور اپنی ہر شے وہ اس کاروبار میں لگا چکا تھا۔ اس میں نقصان کا مطلب اسکا دیوالیہ۔ اور یہ اسے قبول نہیں تھا۔ اسی سوچ میں، اسی پریشانی میں گم وہ گھر کو آرہا تھا جب اس نے وہ سونے کی مرغی دیکھی تھی۔

اسے پتہ تھا وہ سچ بول رہی تھی اور یہ بھی کہ اسکی بیوقوفی کا فائدہ وہ دونوں اٹھا رہے تھے۔ مہر نے اسے اپنے لیئے قاصد بنا رکھا تھا اور ابرار نے ہوس مٹانے کا طریقہ۔

اس دن وہ ابرار کی دوکان پہ جا پہنچا تھا۔ اسے ڈرا دھمکا کر سچ نکلوانے میں اسے زرا سی بھی مشکل نہیں ہوئی تھی۔

قسم کھا کر کہتا ہوں زیاد بھائی، اللہ کی قسم، میرے ماں باپ کی قسم میں نے اسکے ساتھ جبراً کچھ بھی نہیں کیا۔ بس ویسے ہی باہر باہر سے۔۔۔۔ میں نے اسکے ساتھ جو بھی کیا ہے، میرا جو بھی گناہ ہے وہ بڑا نہیں ہے۔ میں نے اسکے ساتھ زنا کیا اور نا ہی اسکا ریپ۔"

وہ جانتا تھا مہر اس سارے قصے سے لاعلم تھی۔ وہ یہ سب جانتی بھی تو کیا کر لیتی۔

وہ خود کیا کیا کر سکتا تھا، اب اسے یہ سوچنا تھا۔

مہر کو بلیک میل کر کے اسے کیا ملتا ؟ اسکے ماں باپ کی مالی حالت اسکے سامنے تھی۔ اسکا پول کھولنا بھی کوئی ایسا فائدہ مند نہیں تھا۔ رونا دھونا، مارپیٹ ہوتی اور بس قصہ ختم۔ دوسری طرف ابرار تھا، ایک غریب پھٹی جیب کا درزی، وہ اسے کیا دے سکتا تھا۔

وہ البتہ اسے بہت کچھ دے سکتی تھی۔ وہ جو اس کہانی کا سب سے کمزور اور سب سے بیوقوف کردار تھی۔

آٹھواں باب

(بے بس)

دس لاکھ روپے کا انتظام کرنا وہ بھی ایک تیرہ چودہ سال کی لڑکی کے لیئے ہرگز بھی آسان کام نہیں تھا۔ مانا کہ گھر میں روپے پیسے کی کمی نہیں تھی لیکن اسکے ہاتھ میں پاکٹ منی کے نام پہ چند سو روپے ہی رکھے جاتے تھے۔ جو چیز بھی چاہیئے ہوتی تھی اسکے لیئے ماں کو آڈر دیا جاتا اور وہ حاظر کر دیتیں۔

اب ماں کو دس لاکھ روپے چاہیئے ہیں کیسے کہتی ؟؟؟

وہ زیاد کی ہی منت سماجت کرنے پہنچ گئی تھی۔

" زیاد بھائی پلیز ایسے مت کریں، میں آپکے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں "

"تمہارے جوڑے گئے ہاتھ میرے کس کام کے ؟؟؟؟ "

وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی

" میں کہاں سے لاؤں اتنے پیسے ؟؟؟؟ "

اس نے اسے بغور دیکھا تھا۔

مجھے پتہ ہے شہناز چچی گھر پہ ایک معقول رقم کیش کی صورت میں رکھتی ہیں۔ "

" اور روز فیکٹری سے بھی تو بیگ آتا ہے۔ چیک بکس، اے ٹی ایم کارڈز

وہ زرا رکا

تمہیں سب پتہ ہے کہ کیسے انتظام ہوگا پیسوں کا لیکن تم بس بہانے بنا رہی "

ہو۔ ایک بات یاد رکھنا ماہین۔۔۔ مجھے بہانے پسند نہیں ہیں۔ میں جا کر تمہارا سارا

"کچا چٹھا چچی کے سامنے کھول دوں گا، پھر کرتی رہنا اپنا انتظام

وہ دہل گئی تھی۔

زیاد بھائی ایسے مت کریں ناں پلیز۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ تو مہر "

"آپی-----

" دفعان ہو جاؤ یہاں سے---- "

وہ غرایا تھا۔

" وہ اچھی لڑکیاں نہیں ہوتی ہیں ماہین جو ایسے کاموں میں پڑتی ہیں "

مریم نے رسان سے اسے کہا تھا۔

میری دوست تھی سکول میں، اسکی ایک لڑکے کے ساتھ دوستی تھی، وہ دونوں "

چھپ چھپ کر ملتے تھے۔ ایک دن پکڑے گئے۔ اسکے بھائی نے گلا گھونٹ کر مار

" دیا تھا اسے۔

وہ ساکت بیٹھی رہ گئی۔

سارے میں تھو تھو ہوتی ہے وہ الگ۔ ماں باپ بہن بھائی کسی کو منہ دکھانے " کے قابل نہیں رہتے ہیں۔ اپنی عزت اور زندگی تو داؤ پہ لگاتی ہی ہیں ساتھ میں " پورے خاندان کو بھی سولی چڑھا دیتی ہیں۔

مریم نے آہستگی سے اسکے ہاتھ کو تھاما تھا۔

تم میری بہن ان سب باتوں سے دور رہو، تم ابھی بہت چھوٹی ہو، ان سب " سے بھی دور رہو جو ان کاموں میں پڑتے ہیں۔ کوئلے سے دوستی اپنے ہاتھ ہی "کالے کرتی ہے، اچھی لڑکیوں سے دوستی کرو۔ ٹھیک ہے ؟؟؟؟

" جی "

ہولے سے سر ہلا کر وہ سونے کے لیئے لیٹ گئی تھی۔

مہر کی شادی طے ہو چکی تھی۔

وہ ہر شے بھلائے اسی میں لگی ہوئی تھی۔ کئی بار ماہین نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ تو اسے دیکھتے ہی اور اور کاموں میں مصروف ہو جاتی تھی۔

" مہر آپی پلیز میری بات سنیں۔ "

اس دن وہ زبردستی اسکے کمرے۔ میں جا گھسی تھی۔

میری بات سنیں۔ مجھے مدد چاہیئے ہے۔ زیاد بھائی مجھے بلیک میل کر رہے ہیں "

"آپ کی وجہ سے۔

اس نے ماہین کو گھورا تھا۔

" میری وجہ سے کیوں ؟؟؟؟ "

"آپکو پتہ ہے کیوں "

" نہیں مجھے نہیں پتہ "

اس نے سینے پہ ہاتھ لیٹے اور کڑی نظروں سے اڈے دیکھا

مجھے نہیں پتہ تم کیا بات کر رہی ہو، میری وجہ سے تمہیں کوئی بھی بلیک میل "
"کیوں کرے گا ؟؟؟؟؟

" مہر آپی ؟؟؟؟؟ "

وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ چہرہ تو پہچان میں نہیں آ رہا تھا۔

"آپ اور ابرار کی۔۔۔۔۔ "

" شٹ اپ "

اس نے چلا کر کہا اور آگے بڑھ کر اسکے بال دبوچ لیئے تھے۔ درد کی شدت کی ماہین کی آنکھیں پانی سے بھر گئی تھیں۔

ایک بات کان کھول کر سن لو ماہی، میرے نام کے ساتھ کسی بھی گھٹیا انسان "
کا نام جوڑا یا میری ذات پہ کوئی بھی بہتان باندھا تو مجھ سے برا کوئی نہیں

" ہوگا۔۔۔۔۔

" یہ غلط ہے آپی۔ "

وہ بے بس نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"آپکو بھی پتہ ہے کہ میں کس تعلق کی وجہ سے پھنس گئی ہوں۔ یہ سب آپکی وجہ سے ہوا ہے آپکو بھی پتہ ہے۔ آپکا ابرار بھائی سے رشتہ، دوستی۔۔۔۔۔۔ میں سب کو بتا دوں گی"

مہر نے اسے دیکھا اور بال چھوڑ دیئے۔

"جاؤ بتاؤ۔ لیکن ثبوت کہاں سے لاؤ گی کہ ایسا کوئی تعلق تھا ؟؟؟؟ ہوں ؟ ہے کوئی گواہ ؟؟؟؟؟؟"

وہ طنزیہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"سب کو بتاؤ میری جان لیکن اگر ثبوت نا دے سکیں تو قسم خدا کی جھوٹے بہتان لگانے کی سزا کوڑوں کی صورت میں تمہیں میں دلواؤں گی یاد رکھنا"

گھر بند تھا۔ دروازے پہ پڑا تالہ اسکا منہ چڑا رہا تھا۔ ماہین نے حیرانی سے دیکھا تھا۔ تبھی پڑوس کے گھر سے وہ عورت باہر نکلی۔

"آنٹی سنیں۔۔۔۔ یہ لوگ کہاں گئے ہیں ؟؟؟؟ "

" یہ درزی کے گھر والے ؟ "

" جی "

وہ تو باہر چلے گئے ہیں۔ دوبئی شائد۔ چار پانچ دن تو ہو ہی گئے ہیں۔ خیریت تھی "

" ؟؟؟؟؟

اسکے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی تھی۔ ٹانگوں سے جان نکل گئی تھی۔ وہ تھک کر وہیں چوکھٹ پہ بیٹھ گئی تھی۔

تو اس لیئے اتنے دھڑلے سے مہر اسے ثبوت لانے کا کہہ رہی تھی۔۔۔۔۔۔

تبھی اس نے موٹر سائیکل کی آواز سنی تھی۔ ہولے سے سر اٹھا کر اس نے دیکھا۔ زیاد اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

اور جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ اس بھنور میں پوری طرح سے پھنس چکی ہے اور ہاتھ پیر مارنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو اس نے مدد کے لیئے اسی شخص کی طرف دیکھا تھا جو مدد کی قیمت پہلے ہی طے کر چکا تھا۔

امی کی الماری کی چابی اسے اچھی طرح پتہ تھی کہ کہاں ملے گی۔ ماں نے کبھی ان سے کچھ چھپایا ہی نہیں تھا۔ گھر کی ایک ایک چیز سامنے تھی، اسے چوری کا ڈر ہی نہیں تھا۔

پھر بھی چوری ہو گئی تھی۔

کیوں ؟؟؟؟؟؟؟؟؟ اور کیسے ؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟

وہاں جہاں ماں تالا لگانا بھول گئی۔

ہوتا ہے اس عمر میں۔ لڑکے غصیل ہو جاتے ہیں اور لڑکیاں چڑچڑی۔ یا پھر "
اندر ہی اندر خاموش۔ ہوتا ہے۔ جسمانی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ یہ بدلاؤ بھی آتے
" ہیں

وجہ ڈھونڈ لی تھی انہوں نے لیکن اسے غیر اہم کہہ کر جانے دیا تھا۔

لڑکا دوست یاروں کا کہہ کر گھر سے گھنٹوں غائب ہے، کوئی نہیں ہوگا دوستوں کے ساتھ۔ لڑکی گھنٹوں فون لیئے کسی کونے میں چھپی ہوئی ہے، کوئی بات نہیں کام ہی ہوگا کوئی۔

کوئی بات نہیں "چہ چہ "

بات تو ہے اور وہ آنکھوں کے عین سامنے ہے، بس تم دیکھنا نہیں چاہتے۔ اور یہاں بات دوست یا فون کی نہیں ہے، تمہاری اپنی اولاد کی ہے۔ دوست ہے تو کون کہاں کیسے کب اور فون ہے تو کیا کیوں کیسے کس کا اور کب۔ سوال کرو گے تو جواب ملیں گے، جواب کریدو گے تو سچ ملے گا۔ جب تم خود سے ہی ایک مفروضہ

گھڑ لیتے ہو اسے اسے مسئلے کا حل بتا کر سب کو خاموش کروا دیتے ہو، تب جھوٹ بہت خوش ہوتا ہے۔

تب جھوٹے پروان چڑھتے ہیں، اور دھوکے باز، اور غارت گر۔۔۔۔۔۔

زیاد نے وہ پوٹلی کھولی تھی۔

کچھ کیش تھا، ایک چیک، دو چوڑیاں، ایک انگوٹھی اور دو بالیاں۔۔۔

اسکے چہرے پہ مسکراہٹ تیر گئی تھی۔

" دیکھا میں نے کہا تھا ناں کہ تم کر لو گی "

وہ سر جھکا کر رہ گئی۔ زیاد اب نوٹ گننے میں لگا ہوا تھا۔

" اپنی صلاحیتوں پہ شک نہیں کیا کرتے چھوٹی۔ سمجھیں ؟؟؟؟ انسان اگر ٹھان لے تو ساری دنیا فتح کر سکتا ہے "

زیاد بھائی اب پلیز کسی کو اس بارے میں مت بتائیے گا۔ اب تو میں نے "
" سارے پیسوں کا انتظام بھی کر دیا ہے۔ پلیز اب جانے دیجئیے
" بے فکر رہو "
اس نے بشاشت سے اسے دیکھا۔
تمہیں اب ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ بے "
" فکر ہو جاؤ
ماہین کو لگا اسکے سینے سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔

مہر کی مہندی تھی۔
اسکا اس خود غرض لڑکی کی خوشیوں میں شامل ہونے کا بالکل بھی دل نہیں کر رہا تھا لیکن مجبوری تھی۔
" میں کونسا خوشی سے جا رہی ہوں۔ اب دنیا داری کے لیئے اتنا تو کرنا پڑتا ہے "

شہناز نے اس سے کہا تھا۔

" اب سونیا تو سچی ہو گئی ہے کہ سب کو بلایا ہے شادی پہ، ہم نا جا کر اب برے بن جائیں گے۔ "

انہوں نے دونوں کو پچکارا

" اٹھ جاؤ چلو، جلدی سے تیار ہو جاؤ "

وہ تیار بھی ہو گئی تھی۔

جو ہو چکا سو ہو چکا۔ اس سب کے پیچھے وہ بہت اذیت جھیل چکی تھی۔ اس سب میں اپنا نقصان کروا کر اب وہ آگے بڑھ جانا چاہتی تھی۔ اس سب کو بھول کر ایک نئی شروعات کرنا چاہتی تھی۔

اسی لیئے اپنا پسندیدہ جوڑا پہن کر، پورے دل سے تیار ہوئی تھی۔ مریم سے میک اپ کروایا، جیولری، چوڑیاں، گجرے۔

وہ سب رنگ جو زندگی کی علامت تھے۔

،سارے فنکشن میں وہ ہنستی مسکراتی رہی تھی۔ مہدی اور پھولوں کے تھال سجاتی قہقہے لگاتی، سنگیت کے ساتھ جھومتی ہوئی، بھاپ اڑاتے کھانوں کو مزے لیکر کھاتی ہوئی، بھرپور زندگی جیتی ہوئی۔۔۔۔

مجھے اب مزید اس سب میں نہیں پڑنا ہے۔ مجھے اب ساری توجہ پڑھائی پہ دینی " ہے۔ ٹاپ کرنا ہے، آگے بڑھنا ہے۔ یہ جو میری غلطیاں تھیں، ان سے سیکھنا " ہے لیکن انہیں گلے سے لگائے نہیں رہنا ہے

پھول ہوا میں اڑا کر، ڈوپٹے کو لہراتی وہ خوشی سے کچھ گنگنا رہی تھی جب وہ اسے دلچسپی سے دیکھتا، اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔ وہ چونک گئی، قدم خود بخود رک گئے۔ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکرا رہا تھا۔

" مجھ سے چھت پہ ملو "

اسکے کان میں سرگوشی کرتا وہ مڑ گیا تھا۔

ماہین کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی یہ نہیں تھی کہ اس رات وہ اسکے بلانے پر، چھت پہ گئ تھی۔ اسکی غلطی تب بھی نہیں تھی جب وہ پہلی بار مہر کے کہنے پہ اکیلی ابرار کی دوکان پہ گئ تھی۔ اسکی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تب تھی جب اس نے ماں سے سب سے پہلے جھوٹ بولا تھا۔ جب ماں کے "کیا ہوا بیٹا ؟ "پوچھنے پہ "کچھ نہیں امی "کہہ دیا تھا۔

" زیاد بھائی ؟؟؟؟؟؟ "

چھت پہ اندھیرا تھا۔ رات تو ہوتی ہی اندھیر ہے۔ تبھی تو اس سے پناہ مانگی گئ ہے۔

" میں یہاں ہوں گڑیا، ادھر آؤ "

اسے بتایا گیا تھا کہ کسی اجنبی کے ساتھ تنہا کہیں آنا جانا نہیں ہے۔ اسے یہ درس جاننے والوں کی بابت کیوں نہیں دیا گیا ؟؟؟؟؟ مائیں جب بیٹیوں کے لیئے نا

محرم کی گنتی کرتی ہیں تو خاندان کے ہر ہر لڑکے کو بھائی کی کیٹیگری میں کیوں ڈالا جاتا ہے ؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟

" ڈر کیوں رہی ہو ؟؟؟؟ آؤ ناں۔۔۔۔ آ بھی جاؤ "

اس نے پہلے کبھی زیاد کو سگریٹ پیتے نہیں دیکھا تھا۔ اسے وہ دھواں اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ یوں دھواں اڑاتے اچھا نہیں لگ رہا تھا

" تم بہت پیاری لگ رہی ہو آج "

"آپ کو کک۔۔۔۔ کچھ کام تھا مجھ سے زیاد بھائی ؟ "

نیچے لڑکیاں مسلسل ڈھولک پیٹ رہی تھیں، گیت گا رہی تھیں۔

"کام تو ہے۔۔۔۔ "

"کیا ؟؟؟؟؟ "

وہ خواب ناک لہجے میں کہتا اسکے پاس چلا آیا۔

" وہ درزی لڑکا۔۔۔۔۔ ابرار ؟ کیسا لگتا تھا تمہیں ؟؟؟؟؟ "

وہ چپ رہ گئی۔

" بتاؤ ناں، وہ کیسا لگتا تھا تمہیں ؟؟؟؟؟ "

وہ خانوش کھڑی رہی۔

" اچھا چلو یہ بتاؤ میں کیسا لگتا ہوں تمہیں ؟؟؟؟؟ "

" مجھے اب جانا چاہیئے زیاد بھائی۔ امی پریشان۔۔۔۔ "

زیاد نے اسے مضبوطی سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا۔

" میں بھی تو پریشان ہوں۔ میں نے بھی تو تمہیں پکارا ہے۔ میری پریشانیوں کو دور کرو، میری پکار کا جواب دو"

" زیاد بھائی مجھے چھوڑیں "

اسے کہا تھا مجھے چھوڑو ؟؟؟ ہاں ؟ اسے کہا تھا ؟؟؟؟ اسکے ساتھ تو سرعام گلے ملتی تھیں، اسے روکا تھا؟ "

" زیاد بھا۔۔۔۔ "

وہ اسکے ہونٹوں کو اپنے لبوں کے زور سے خاموش کروا چکا تھا۔ ماہی کو سانس لینا دوبھر ہو گیا تھا۔ اسکے ہاتھ اسکے جسم پہ رینگنے لگے تھے۔

یونہی، ایسے ہی کرتا تھا ناں وہ بھی ؟؟؟؟ مجھ سے کیوں ڈر رہی ہو ؟؟؟؟ میں تو " اپنا ہوں---- رکو زرا---- یہاں چھوا اس نے ؟؟؟؟ اور یہاں ؟؟؟؟؟؟؟؟

اس رات ماہین نے جان لیا تھا کہ وہ اب ساری زندگی کے لیئے اس دلدل میں پھنس چکی تھی۔

ایک کہاوت ہے کہ پرایا مارتا ہے تو دھوپ میں پھینکتا ہے، اپنا مارے بھی تو چھاؤں میں ڈالتا ہے۔ جس بدبخت کا یہ سنہری قول ہے کوئی اس سے پوچھے مردے کو دھوپ چھاؤں سے کیا مطلب؟؟؟؟؟

وہ اسکا اپنا، اسکی لاش کو تپتے اندھیرے کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ وہ جو پرایا تھا پھر بھی ڈر گیا تھا لیکن وہ اپنا------

وہ ادھ موئی سی کھردے فرش پہ پڑی تھی۔ پیٹ میں پتھر چبھ رہے تھے۔ سارا وجود پسینے میں بھیگ چکا تھا۔ وہ جانے کیسے زندہ تھی۔

زیاد پاس ہی کھڑا کپڑے درست کر رہا تھا۔

وہ ویسے ہی بے حس پڑی رہی۔

وہ منڈیر کے پاس کھڑا سگریٹ پیتا رہا۔

پھر چلتا ہوا اسکے پاس آیا۔

تمہاری آواز بھی نکلی، ایک لفظ بھی کسی کی سمجھ میں آگیا تو یاد رکھنا میرا نام۔ "

تمہیں تو عبرتناک سزا دوں گا ہی، تمہاری بہن کی زندگی بھی جہنم بنے گی۔۔۔۔

" سمجھیں ؟؟؟؟؟؟

خوف ہے جو بہادر بناتا ہے انسان کو۔ ہر مشکل سے مشکل فیصلے کے پیچھے ڈر ہی ہوتا ہے۔ ہر راستے کے سہل ہو جانے کی وجہ بھی یہی ہے۔

خوف نے اٹھنے پہ مجبور کیا تھا۔ اسی خوف نے اسے طاقت بخشی کہ وہ سیڑھیاں اتری تھی۔ اسی خوف نے اسے واش روم میں بند کروایا تھا۔

امی اور مریم ابھی لوٹی نہیں تھیں۔ فنکشن ابھی جاری تھا۔ رات ابھی بہت باقی تھی۔ جب تک وہ لوٹیں، وہ کپڑے تبدیل کر کے کمرے میں جا چکی تھی۔

" ماہی۔۔۔۔۔ "

انہوں نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔ اندھیر کمرے میں وہ بستر پہ پڑی تھی۔

" بیٹا۔۔۔ کیا ہوا ؟؟؟؟ ماہین ؟؟؟؟؟؟ "

اس نے سر تک لحاف اوڑھ لیا تھا۔

" ماہین بچے کیا۔۔۔۔۔۔۔ "

" میں ٹھیک ہوں امی۔ بس مجھے سونا ہے۔ مجھے اب سونا ہے۔۔۔۔۔ "

وہ کھڑی رہ گئی تھیں۔ مریم بھی کھڑی بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

" میں بہت تھک گئی ہوں امی۔۔۔۔ مجھے، مجھے سونے دیں۔۔۔۔۔ "

وہ ماہین تو نہیں بول رہی تھی۔ وہ تو بے بسی تھی جو بس رو دینے کو تھی۔

نواں باب

(درندہ)

وقت کا کام تو اپنے مدار میں چکر کاٹتے رہنا تھا۔ سو وہ اپنے کام پہ کمربستہ تھا۔ سمے کا چکر گول گول گھومتا جا رہا تھا۔ دن رات، دن رات۔۔۔۔۔ زیاد نامی اس درندے کی فرمائشیں جاری تھیں۔

کبھی پیسہ، کبھی جسم، کبھی وقت، کبھی عزت۔

اسکے پاس بلیک میل کرنے کے لیئے مواد بڑھتا جا رہا تھا، اسکے جرائم بڑھتے جا رہے تھے، اسکی دھمکیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔

" اتنے پیسے چاہیئے ہیں۔۔۔۔ اس تاریخ تک۔۔۔۔ ورنہ تمہیں پتہ ہے۔۔۔۔ "

" فلاں وقت پہ فلاں جگہ پہنچ جانا ورنہ۔۔۔۔ "

اس ورنہ کا مطلب وہ اسے اچھے سے سمجھا چکا تھا۔

" سارے خاندان، سارے شہر میں تمہاری عزت کا جنازہ نکل جائے گا۔ کوئی تمہاری بات کا اعتبار نہیں کرے گا بیوقوف لڑکی۔ سب اس پہ یقین کریں گے جو انہیں میں دکھاؤں گا، ثبوت۔ اور تمہارے پاس اپنی بے گناہی کے لیئے کونسا ثبوت ہوگا ؟؟؟؟ میں تمہیں برباد کردوں گا اور ساتھ میں تمہارے خاندان کو بھی۔ وہ تمہاری بہن، مجھے پتہ ہے وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ ساری زندگی اسے ماتم ہی کرنا ہوگا، تم دیکھنا اگر تم نے زبان کھولنے کی کوشش کی تو میں۔۔۔۔۔۔"

تم کہو گے اسکی عقل کہاں گئی تھی، اسکی حسیات کا کیا ہوا۔۔۔۔ ارے اسکے پاس کچھ بچا بھی تھا ؟؟؟ تم ایک ننھے ذہن کو ڈراؤ گے اور وہ ڈرے گا بھی نہیں؟؟؟؟؟؟؟؟

مہر شادی ہو کر باہر چلی گئی تھی۔

میری بیٹی کے ٹھاٹھ ہیں۔ ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھا ہوا ہے شوہر نے۔ مجال " ہے جو اسے ہائے بھی کرنے دے۔ بس میری مہر کو خدا حسدوں سے بچائے، ان درندوں سے بچائیں جنہیں ہماری خوشیاں پسند نہیں آتیں"

وہ تعویذ چمڑے کے ٹکڑوں میں لپیٹ لپیٹ کر، شہناز کے صحن میں دباتی رہتی تھیں۔

" خدا مجھے اور میرے خاندان کو اپنی امان میں رکھے "

دوسری طرف ابرار بھی واپس نہیں لوٹا تھا۔ اسے پتہ تھا واپس آتا تو پکڑا جاتا اور سزا کسے پسند ہے۔

بہزاد تو پہلے ہی بیوی بچوں سمیت گھر سے جا چکا تھا۔ کئی بار ماں باپ کو ساتھ چلنے کو کہا پر بڑے تایا نہیں مانے تھے۔

میرے باپ کی آخری نشانی ہے یہ گھر، میری ماں نے یہیں آخری سانس لی "
" تھی۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ تو جا، میں یہیں ٹھیک ہوں

شہزاد کی بھی شادی طے کردی گئی تھی۔

زیاد کا کاروبار اچھے سے چل رہا تھا۔ وہ خوب منافع کما رہا تھا۔ اور کیسے نا کماتا، مرحوم چچا کی کمائی جو دن رات اس میں شامل ہو رہی تھی۔ اسکے ہاتھ سونے کی مرغی لگی تھی جو اسکے کہنے پہ سونے کا بس ایک انڈہ نہیں دیتی تھی۔

ماہی دس ہزار۔۔۔ ماہی ایک لاکھ۔۔۔ ماہی پانچ لاکھ۔۔۔ ماہی پچاس ہزار۔۔۔۔ "
"

ماہی ایک ایک کر کے اپنا ہر زیور اسکے دھڑ پہ اتار چکی تھی۔ آئے روز گھر میں شور مچا ہوتا

ہائے اللہ میرا لاکٹ کہاں گیا۔۔۔ امی میری چوڑیاں۔۔۔ وہ سونے کے "
" جھمکے۔۔۔۔ سارا کیش کہاں گیا۔۔۔ بیگ کہاں ہے میرا۔۔۔۔

ساری تجوریاں خالی کر کے وہ اس غارت گر کا پیٹ بھرنے میں لگی ہوئی تھی۔

وہ سچ کہتا تھا جب وہ کہتا تھا کہ تمہاری بہن مجھ سے محبت کرتی ہے۔ وہ سچا تھا جب وہ دعویٰ کرتا تھا کہ اسکے بغیر وہ نہیں رہ سکے گی۔

"آپکو زیاد بھائی کیسے لگتے ہیں آپی ؟؟؟؟ "

پہلے وہ شرما جاتی تھی۔ اب دھڑلے سے کہتی تھی۔

" بہت اچھے "

وہ اس سے بہت زیادہ بات نہیں کرتا تھا لیکن اسکے بولے چند لفظ ہی وہ ازبر کر لیتی تھی۔ اسکی کہی ہر بات اسے منہ زبانی یاد تھی۔

" تو خوش ہے ناں میری بچی ؟؟؟؟ "

امی وقتاً فوقتاً پوچھتی رہتی تھیں۔ وہ خوش کیوں نا ہوتی ؟؟؟؟ اسکی دوستیں اسے زیاد کے ساتھ رشک بھری نظروں سے دیکھتی تھیں۔ ان سب کی زبانوں پہ ان

دونوں کی جوڑی کے لیئے ہمیشہ تعریفیں ہی رہی تھیں۔ سب سے بڑھ کر اسکا ساتھ اسے خوشی دیتا تھا۔ وہ اسکے ساتھ آرام میں رہتی تھی۔

دوسری طرف زیاد بھی جانتا تھا کہ اس سے خود کو محبت کیسے کروانی ہے۔ مریم ایک کھلی کتاب کی طرح تھی اور وہ اسکا ہر ورق پڑھ چکا تھا۔

کچھ تعریفی جملے--- کچھ زو معنی باتیں---- کچھ ستائشی نظریں---- کچھ تحائف---- کچھ ٹھنڈے لمس----- تھوڑی سی پرواہ-----

وہ اب کہیں بھی جانے والی نہیں تھیں۔

اس دن بھی وہ پیسے کے ساتھ ساتھ اسکی جسم کی بھوک بھی مٹا کر اپنے کمرے میں آئی تھی۔

بیمار سی، پریشان سی، بدحال سی، بے حال سی۔

رات میں اسکے سوکھے بالوں میں تیل لگاتے ہوئے ماں نے اسے کہا تھا۔

جانے کس کی نظر کھا گئی میری بچی کو، اتنی ہنستی کھیلتی ہوا کرتی تھی، اب چپ "
"لگ گئی ہے۔

وہ بے حس سی بیٹھی رہ گئی۔

کیا ہوا ہے بیٹا ؟؟؟؟ بتاؤ تو ؟؟؟؟ میں ماں ہوں، مجھے نہیں بتائے گی تو کسے "
"بتائے گی ؟؟؟؟؟؟

اس نے آنکھیں موند کر سر انکی گود میں رکھا تھا۔ دور تک تیل کے بدنما داغ پھیلتے چلے گئے تھے۔

" !!!! ماہین بیٹا "

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ وہ پریشانی سے اسکے بال سہلانے لگیں۔

" کچھ تو بتاؤ، بولو بھی۔۔۔۔۔ "

وہ ایک بار پھر کچھ نہیں بول سکی تھی۔ بس انکی گود میں سر رکھے روتی رہی تھی۔ اندر کی ساری بھڑاس، اپنے وجود میں قید ساری بھاپ، ساری آگ آنسوؤں کے

ذریعے بہاتی رہی تھی۔ اور وہ راز، اس درندے کے دیئے زخم اسکی دھمکی اور خوف کی چادر تلے چھپے رہ گئے تھے۔

امی کے بے حد اصرار پر وہ انکے ساتھ بازار آنے پہ راضی ہوئی تھی۔ پہلے تو اس نے ٹالنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن وہ اسکی کوئی بات سننے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

"ہوتے رہیں گے ٹیسٹ، تم چلو میرے ساتھ۔ سارا دن یہی پڑھایاں ٹیسٹ الا بلا۔ جی بہل جائے گا دو گھڑی کو، چلو بس۔۔۔"

مریم کو بھی کچھ چیزیں لینا تھیں۔ وہ تینوں ماں بیٹیاں بازار آ گئی تھیں۔ وہ تو زیادہ وقت خاموش ہی رہی تھی، امی اور مریم ہی باتیں کرتی رہی تھیں۔

"ارے مرسلین بیٹا تم۔۔۔۔"

اس کپڑے کی چھوٹی سی دوکان پہ وہ جانا پہچانا سا چہرہ تھا۔ وہ بھی انہیں پہچان گیا تھا۔

" ارے بیٹا تم نے تو گھر آنا ہی چھوڑ دیا۔ ایسی بھی کیا ناراضگی ؟؟؟ ہیں ؟؟؟ "

ان کے منع کرنے کے باوجود اس نے جوس منگوا لیا تھا۔

" بس آنٹی آپکے ہونیوالے داماد کی مہربانیاں ہیں یہ "

اس نے کن انکھیوں سے مریم کو دیکھا

" وہی تو کہہ رہی ہوں، یاروں دوستوں میں لڑائیاں ہو جاتی ہیں، یوں انہیں دشمنی میں بدل کر سالوں پالتے تو نہیں رہتے ہیں ناں۔ ہو گیا جھگڑا، ہو جاتا ہے، معافی تلافی کرتے اور بات ختم"

" وہ بات ختم کرنے کے موڈ میں نہیں ہے آنٹی "

" اور ہم سب کا کیا ؟؟؟؟ ہم اتنا یاد کرتے ہیں تمہیں، اسکا کیا ؟؟؟ ہیں ؟؟؟؟ "

" اسکے پیچھے ہم سے بھی ناطہ توڑ لیا۔۔۔

اس سے گھر آنے کا وعدہ لیکر ہی وہ دوکان سے اٹھی تھیں۔

وقت تھوڑا اور آگے کی اور بڑھا تھا۔

اسکی زندگی وہیں اٹک کر رہ گئی تھی۔ زیاد کی وہی فرمائشیں تھیں۔ گھر میں سب ویسا ہی تھا۔ دو ہفتے بعد اسکی سولہویں سالگرہ تھی اور اب اسے وہ سب ختم کرنا تھا۔ اتنے سالوں کی اذیت سہنے کے بعد اب اسکے اندر برداشت ختم ہونے لگی تھی۔ اب زیاد پہ لٹانے کے لیئے پیسہ بچا تھا اور نا ہی عزت۔ اب وہ سنجیدگی سے اس سے پیچھا چھڑوانے کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔ کوئی راستہ جو اسے اس سے دور لے جائے اور اس دن وہ اسے مل گیا تھا۔

مرسلین کبھی کبھار گھر چکر لگا لیتا تھا۔ ایک بار بیوی کے ساتھ بھی آیا تھا۔ اس دن بہت خوش تھا۔ شادی کے تیرہ سال بعد خدا نے انکی سن لی تھی۔ رابعہ امید سے تھی۔ امی نے دونوں میاں بیوی کو کھانے پہ روک لیا تھا۔

زیاد میرا سب سے اچھا دوست ہوا کرتا تھا۔ میں اسکی اور وہ میری ہر بات مانتا تھا۔ یہ جھگڑا تو بہت ہی معمولی بات پہ ہوا آنٹی، اس سے زیادہ بڑی بڑی باتوں پہ ہم لڑے اور پھر خود ہی مان بھی گئے۔"

اس کے ہوتے ہوتے امی نے بڑے تایا اور زیاد کو بلوایا تھا۔

خوشی کا موقع ہے۔ تم دونوں میرے لیئے بیٹوں جیسے ہو، اب مجھے ماں جیسا سمجھتے ہو تو ختم کرو یہ ناراضگی اور بس صلح کرو"

اب جیسے بھی ہوئی، صلح ہو گئی۔ ہاتھ ملائے،گلے ملے اور انکے منہ کو سی رنجشیں بھلا بھی دیں۔

ماہین نے لمبی سانس بھری اور ساری ہمت جمع کی تھی۔ مرسلین اسکے سامنے بیٹھا بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"کہو گڑیا کیا مدد کر سکتا ہوں میں تمہاری ؟؟؟؟"

اس نے انگلیاں مڑوڑتے ہوئے الفاظ جمع کرنا شروع کیئے تھے۔

"گھبراؤ مت، مجھے اپنا بھائی سمجھو۔ بتاؤ کیا پریشانی ہے "

اور اس نے ہولے ہولے اسے ساری بپتا کہہ ڈالی تھی۔ مہر سے لیکر ابرار اور پھر زیاد تک۔ ہر فرمائش، زیادتی اور بلیک میلنگ۔ ہر گھناؤنی چال اور بیوقوفی۔

وہ خاموشی سے سنتا رہا تھا یہاں تک کہ وہ اپنی کہہ کر، تھک کر خاموش ہو گئی تھی۔

" تم پریشان مت ہو۔ مجھ پہ بھروسہ رکھو، میں سب ٹھیک کردوں گا بیٹا "

زیاد خوشی خوشی گھر لوٹا تھا۔

کاروبار میں اچھا منافع ہوا تھا۔ پچھلے ماہ ماہین سے جو دو لاکھ لیکر کاروبار میں لگائے تھے، انکا پھل آج ملا تھا۔ ایک بڑی اسامی اسکے ساتھ پارٹنرشپ کے لیئے تیار ہو چکی تھی۔

بائیک کھڑی کر کے وہ اندر آیا تو برآمدے میں ٹھٹھک کر رکا۔ مرسلین کی آوازیں باہر تک آ رہی تھیں۔ وہ اندر داخل ہوا تو اسے دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا تھا۔

" مرسلین۔۔۔۔۔ "

ابو اپنی جگہ سے اٹھے تھے اور اسکی طرف بڑھے۔ اس نے اچھنبے سے انہیں دیکھا۔ بنا کچھ کہے انہوں نے اسکے منہ پر تھپڑ دے مارا تھا۔ گال پہ ہاتھ رکھے وہ بے یقین کھڑا رہ گیا۔

" بے غیرت۔۔۔۔۔ بے حیا۔۔۔۔ "

اس نے کن انکھیوں سے مرسلین کو دیکھا تھا۔ وہ مسکراہٹ دبائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ نظریں جو بہت کچھ جتا رہی تھیں۔ وہ عبارت وہ پڑھ چکا تھا۔

" دیکھ سالے، کیسا بدلہ لیا "

اس نے ماں کی طرف دیکھا۔ وہ بے اعتبار نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

وہ جب اس سے گلے ملا تھا تو اسکا مطلب بس گلے لگنا تھا۔ زبان سے کہہ دیا تھا کہ سب ٹھیک ہے تو وہ بس کھوکھلے لفظ ہی تھے۔ اس سے دشمنی جو مرسلین کے دل میں پنپ رہی تھی، وہ ختم نہیں ہو سکی تھی۔

میرا لاکھوں کا نقصان کروا کر خود عیاشیاں کر رہا ہے، اب سمجھا یہ اتنی رقم کہاں " " سے آتی تھی۔ حرامزادہ

اس کے ہاتھ زیاد سے بدلہ لینے کا سنہری موقع لگا تھا، وہ آخر اسے کیسے جانے دیتا۔

وہ جھوٹ بول رہی ہے امی۔ میں نے اسکے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ یہ " " سراسر جھوٹ ہے

اسے پتہ تھا وہ مکر جائے گا تبھی اس نے وہ دوسری چال بھی سوچ رکھی تھی۔

بلائیں اس بچی کو، وہی گواہی دے گی کہ اس نے کیا کیا ہے اسکے ساتھ۔ بلائیں " " ماہین کو

وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

بڑے تایا ، تائی امی، شہناز بیگم، مرسلین، وہ سب وہیں موجود تھے۔ زیاد ایک طرف کھڑا تھا۔

" بولو بیٹا، وہ سب سچ سچ انہیں بھی بتاؤ جو کل آپ نے مجھے بتایا تھا "

مرسلین نے نرمی سے کہا تھا۔ اسکے پاس بیٹھی تائی امی نے اسکے ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیا تھا۔ ماہین نے سر اٹھایا۔ سامنے زیاد کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ایک ،ہاتھ میں فون پکڑے، دوسرے ہاتھ کی تیسری انگلی میں پڑی انگوٹھی کو گھماتا ہوا اسے بغور دیکھتا ہوا۔

" بولو بیٹا، بتاؤ ان سب کو کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے "

اس نے کرب سے آنکھیں موند لی تھیں۔

" وہ جھوٹ نہیں بول رہے "

وہ بمشکل بول پائی تھی

" مرسلین جھوٹ بول رہے ہیں۔ "

" ماہین تت--- تم کیوں "

یہ مجھے بہت دنوں سے تنگ کر رہے ہیں۔ انہیں پیسوں کی ضرورت ہے اس " لیئے یہ مجھ سے مدد کرنے کے لیئے کہہ رہے تھے۔ انکا کہنا تھا کہ اگر میں نے پیسے نہیں دیئے تو یہ مجھے خاندان بھر کے سامنے بدنام کردیں گے۔ یہ سارا پلان

" مرسلین بھائی کا ہی تھا

ایک فاتحانہ مسکراہٹ زیاد کے چہرے پہ تیر گئی تھی۔

اس دن جب وہ مرسلین سے مل کر گھر لوٹی تھی تو اسکا ذہن ہلکا پھلکا ہو چکا تھا۔ اپنا دکھ کسی کے ساتھ بانٹ کر، اپنی بھڑاس نکال کر اب وہ پرسکون ہو چکی تھی۔ مرسلین نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسکی مدد ضرور کرے گا۔ اس نے یہ بھی

وعدہ لیا تھا کہ وہ اسکا راز اپنے تک ہی رکھے گا اور زیاد نامی درندے سے بچانے کے لیئے کوئی بہتر لائحہ عمل تیار کرے گا۔

اسی شام زیاد آن پہنچا تھا۔

" چھت پہ آؤ "

وہ گھسیٹتا ہوا اسے اوپر لے گیا۔ امی باورچی خانے میں تھیں اور مریم سوئی پڑی تھی۔

" تم مرسلین سے ملی ہو ؟؟؟؟ "

وہ دھک سے رہ گئی۔

" تمہیں کیا لگا مجھے پتہ نہیں چلے گا ؟؟؟ میں یہ خبر نہیں رکھوں گا کہ تم میرے پیچھے کیا کرتی پھرتی ہو ؟؟؟ تمہیں لگتا ہے میں بیوقوف ہوں ؟؟؟؟ "

وہ سناٹے میں آ گئی تھی۔ زیاد جیسے انسان کے لیئے کسی سے کچھ بھی اگلوانا ہرگز مشکل نہیں تھا اور مرسلین کی دوکان پہ تو اسکے کئی بھیدی تھے۔

تمہیں پتہ ہے کامیاب بزنس کیسے کیا جاتا ہے ؟؟؟؟؟ خود کو کامیاب بنانے "
کے لیئے ساری محنت اپنی ذات کو مضبوط بنانے پہ صرف نہیں کی جاتی بلکہ اپنی
مخالفین کو کمزور بنانے پہ بھی جدوجہد کی جاتی ہے۔ وہ دیوالیہ اس لیئے ہوا کہ میں
" نے اسکے اردگرد لوگوں کو خرید لیا۔

وہ زرا رکا تھا

اور تم برباد تب ہو گی جب تمہاری بہن اور تمہاری ماں برباد ہوں گی۔ تم نے چل "
" دی ہے اپنی بازی، اب دیکھو میں کیا کرتا ہوں

اس نے انگوٹھی اتاری اور جیب سے فون نکال کر وہ ویڈیو آن کی۔

" دیکھتی جاؤ میں کیا کرنے والا ہوں "

وہ سیڑھیوں کیطرف بھاگا تو ماہین کا سکتہ ٹوٹا تھا۔ وہ اسکے پیروں سے جا لپٹی تھی۔

" زیاد بھائی نہیں پلیز۔۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔۔ "

" دفع ہو جاؤ "

اس نے اسے ٹھوکر ماری اور خود سے جدا کرنا چاہا لیکن وہ اسکی ٹانگ سے چپکی رہی تھی۔

"مجھے معاف کردیں۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ بھائی پلیز، آپ جو کہیں گے میں کروں گی۔ پلیز زیاد بھائی---"

اور اب----

سب کے سامنے وہ، وہ سب کر چکی تھی جو کچھ بھی اس نے کرنے کو کہا تھا۔

دسواں باب

(قیامت)

مرسلین جا چکا تھا۔

ماہین سر جھکائے بیٹھی، گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھتی بس ایک ہی بات سوچ رہی تھی۔ وہ ہمیشہ کے لیئے اس شخص کے چُنگل میں پھنس چکی تھی اور اس سے فرار کی کوئی بھی صورت ممکن نہیں تھی۔ امی اور مریم ابھی تک سکتے کی سی کیفیت میں تھیں۔ تائی امی کا ہاتھ ابھی تک اسکے کندھے پہ تھا۔

زیاد نے باری باری سب کی طرف دیکھا اور ہولے سے کھنکارا تھا۔

مجھے نہیں پتہ مرسلین اور ماہی کے درمیان کیا بات ہوئی ہے اور اسکے دماغ میں " یہ اختراع کیسے پیدا ہوئی ہے، مجھے یہ سب جاننے میں کوئی دلچسپی بھی نہیں ہے " امی۔ میں بس ایک بات جانتا ہوں

وہ زرا رکا

" میں دوسروں کی گندگی صاف کرتے کرتے تھک گیا ہوں "

سب نے حیرانی سے اسکی طرف دیکھا۔

"کہنا کیا چاہتے ہو زیاد ؟؟؟؟ "

اس نے بغور باپ کی طرف دیکھا اور پھر چچی کی طرف۔

" معاف کیجیئے گا چچی لیکن اس سب کی زمہ دار آپکی بیٹی ماہین ہی ہے "

،ماہین نے تڑپ کر اسکی طرف دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ جتاتی ہوئی نظریں پرائی سی آنکھیں، ظالم کی سی آنکھیں۔

یہ جانے کب ان غلط کاموں میں پڑ گئی چچی اور آپ سب کی نظروں میں دھول"
" جھونکنے لگی

" زیاد بھائی۔۔۔۔۔ "

وہ رکا نہیں تھا۔

وہ درزی لڑکا ابرار، سارا محلہ گواہ ہے کہ یہ اسکی دوکان پہ اکثر جاتی تھی اور وہ "
" بھی تب جب وہاں کوئی بھی نہیں ہوتا تھا۔ اردگرد کسی سے بھی پوچھ لیں۔۔۔۔
وہ سکتے کی سی حالت میں سن رہی تھیں۔ تایا ابو نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا

"کیا بکواس کر رہے ہو ؟؟؟؟ "

" ابو میرے پاس ثبوت ہیں "

ماہین کا دل حلق میں اٹک کر رہ گیا۔ اسکے قدموں تلے سے زمین کھسک گئی تھی
جب اس نے زیاد کو فون باپ کو تھماتے دیکھا تھا۔

میں نے اسے بہت سمجھایا، بہت بار پیار سے غصے سے لیکن یہ اسکے جال میں پھنس چکی تھی۔ یہ تو چند تصویریں ہیں ابو، اس خبیث لڑکے کے پاس ایسی لاکھوں ہیں جن سے وہ اسے بلیک میل کرتا رہا ہے۔ میں نے اسے دھمکایا تو الٹا وہ مجھے دھمکیاں دینے لگا اور ان ویڈیوز کے بدلے مجھ سے بھی پیسے مانگے۔"

وہاں موجود ہر شخص صدمے میں تھا۔

میں اب مزید اس راز کو راز نہیں رکھ سکتا تھا چچی، اب اس کیچڑ سے اٹھتے چھینٹے میرے کردار کو بھی گندہ کر رہے ہیں۔ مجھے معاف کیجیئے گا"

اس نے انگلی سے وہ انگوٹھی اتار کر وہیں پاس کرسی پہ رکھ دی تھی۔ مریم اسے دیکھ کر رہ گئی۔

قیامت برپا ہو چکی تھی۔ ان سب کے چیتھڑے اڑ چکے تھے۔

وہ ماہین کے تابوت میں آخری کیل تھی جو اس نے ٹھونک دی تھی۔ پہلے وہ اسکے لیئے سونے کی مرغی ضرور رہی تھی لیکن اب وہ ایک بم بن چکی تھی جو کسی بھی وقت اس پہ پھٹ سکتا تھا۔ اسے وہ سب کچھ دے چکی تھی یہ وہ جانتا تھا۔ اسکے جسم سے وہ اکتا چکا تھا اور اسکی ساری دولت وہ ہتھیا چکا تھا۔ اب وہ اسکے کسی کام کی نہیں رہی تھی۔

" شہہ مات "

وہ ساری بازی اپنے نام کر چکا تھا۔ ساری بساط اسی پہ الٹا کر وہ فاتح بن چکا تھا۔ وہ سارے ثبوت اس نے صحیح وقت پہ صحیح طریقے سے استعمال کیئے اور وہ آپوں آپ مجرم بن گئی تھی۔

" امی میں نے کچھ نہیں کیا، امی آپ تو میرا اعتبار کریں گی ناں۔۔۔۔ "

وہ ماں کو بڑے مان سے دیکھ رہی تھی۔ وہ ماں جسے اس پہ بڑا مان تھا۔ مان کا ہی تو تعلق تھا جو ماں بیٹی کو جوڑتا تھا، اب وہ مان نہیں بچا تھا تو شائد وہ تعلق بھی ایسا مضبوط نہیں رہا تھا۔

وہ ماں کی گود میں سر رکھے ہولے ہولے اپنی ساری سچائی بتاتی رہی تھی۔ مریم ، بھی وہیں بیٹھی خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ آنسوؤں سے تربتر چہرے سے رُندھی ہوئی آواز میں اپنی ساری کتھا سناتی رہی اور پھر تھک کر خاموش ہو گئی تھی۔ انہوں نے جھک کر ہولے سے اسکے ماتھے کو چوما تھا۔ اسکے بالوں کو سہلایا تھا۔

" میں ایک بدنصیب عورت اور ایک بری ماں ہوں میری بچی۔ "

انہوں نے گہری سانس بھری تھی۔

سو جا، رات بہت ہو گئی ہے اور تو بہت تھکی ہوئی ہے۔ سو جا میری بیٹی۔۔۔۔ "

"

مریم بہت دیر تک بیٹھی اسے دیکھتی رہی تھی۔

وہ ماں کی گود میں سر رکھے رکھے سو گئی تھی۔ اسکے بالوں میں انگلیاں چلاتی امی بھی آنکھیں موند چکی تھیں۔ ایک وہ تھی جو جاگتی آنکھوں سے بیٹھی رہ گئی تھی۔

خاموش۔۔۔۔۔

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا محسوس کر رہی ہے۔ اسے اپنی چھوٹی بہن پہ زیادہ رحم آ رہا تھا یا خود پہ۔ اسے اس پہ غصہ تھا یا اپنی قسمت پہ۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا وہ رنجیدہ تھی، تھی تو کیوں تھی۔ اس اداسی کا سبب کیا تھا۔ اس کی بہن پہ ٹوٹی قیامت یا اسکی اپنی زات پہ۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس بات کی تکلیف زیادہ تھی کہ اسکی بہن بے آبرو ہوئی تھی یا اس بات کی کہ اسکی عزت کا لٹیرا اسکی محبت تھا۔

وہ بس خاموش بیٹھی اسے دیکھتی رہی تھی۔

پھر ہولے سے اٹھی اور بستر سے اتر گئی۔ وہ دونوں ماں بیٹیاں سوئی پڑی تھیں۔ کمرے کی لائٹ بند کر کے، دروازہ ہولے سے بند کر کے وہ باہر نکل آئی تھی۔ باہر اندھیرا تھا۔ سیاہ آسمان پہ ٹمٹماتے تاروں کی ناکافی روشنی میں وہ رات اپنے دوسرے پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ بہت دیر تک صحن میں کھڑی اندھیروں کو کھوجتی رہی اور پھر تھک کر فرش پہ بیٹھتی چلی گئی تھی۔

آنسوؤں کا سیلاب ہر باڑ پار کر گیا تھا۔

"کیوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "

منہ پہ ہاتھ رکھ کر، سسکیوں کا گلا گھونٹتی، سر جھکائے، زمین پہ جھکی وہ بلک بلک کر روتی رہی تھی۔

اب وہ جان گئی تھی۔ وہ درد تھا۔ وہ درد جو اسکی ہمت کی کرچیاں کر کے اسے لہولہان کر گیا تھا۔

ایک لمبی بھرپور نیند لیکر وہ بیدار ہوئی تو صبح طلوع ہو چکی تھی۔ بند دروازے کی جِھریوں سے روشنی کی کرنیں کمرے میں داخل ہو چکی تھیں۔ کمرے میں خاموشی تھی اور خنکی بھری ہوئی تھی۔

ماہین نے کروٹ بدلی تو دیکھا۔ اسکے پہلو میں امی سوئی ہوئی تھی۔ رات میں وہ انکی گود میں ہی لیٹے لیٹے سو گئی تھی۔ وہ بہت دیر تک ویسے ہی لیٹی ماں کو دیکھتی رہی تھی۔

بہت سارے لمحے سرکتے چلے گئے۔ باہر سے آتی چڑیوں کی آوازیں اب دوسری آوازوں تلے دبنے لگی تھیں۔ وہ ویسے ہی لیٹی رہیں اور وہ انہیں دیکھتی رہی تھی۔ یہاں تک کہ اسکی آنکھیں دکھن کا شکار ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ اس نے ہاتھ بڑھا کر انہیں چھوا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے آہستگی سے انہیں آواز دی تھی۔

"امی۔۔۔۔۔"

اسے وہ عجیب سا احساس ہوا تھا۔ کچھ تھا جو ٹھیک نہیں تھا۔ وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی اور آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

" امی۔۔۔۔۔ "

وہاں کوئی جنبشِ تک نہیں تھی۔ ایک سردیلی سی خوف کی لہر اسکے وجود میں سرائیت کر گئی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو مرتعش پایا تھا

" ام۔۔۔۔۔۔ "

اسکے لب کپکپا کر رہ گئے تھے۔

ماہین نے دھندلائی ہوئی نظروں سے وہ منظر دیکھا تھا۔ سفید کفن میں لپیٹ کر اسکی ماں کا وجود چارپائی پہ منتقل کردیا گیا تھا۔

" بس ہمت کرو۔۔۔ بس حوصلہ۔۔۔ "

جانے کس کس نے ساتھ لگا کر ان دونوں بہنوں کو دلاسے دیئے تھے۔

" جنازہ تیار ہے، مرد آ رہے ہیں اٹھانے "

ماہین نے تایا ابو کو دیکھا اور انکے ساتھ بہزاد بھائی کو۔ چھوٹے تایا ابو، اور وہ------

وہ جو قاتل تھا۔

" یہ یہ کیوں آئے ہیں یہاں----- "

اس کے آس پاس موجود لوگوں نے، عورتوں نے اچھنبے سے اسے دیکھا تھا۔

" یہ کیوں آئے ہیں--- انہیں کس نے بلایا ہے----- یہ کیوں---- "

تائی امی اسکی نظروں میں چھپی تحریر پڑھ چکی تھیں تبھی ہولے سے اسکا ہاتھ دبایا۔

" ماہیں بیٹا بس --- "

اس نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑوایا اور بپھر کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

" یہ میری ماں کو کندھا نہیں دیں گے۔ مجھے انکے کندھے کی ضرورت نہیں اور نا ہی میری ماں کو ہے۔ انہیں کہیں یہ چلے جائیں۔ یہ جائیں یہاں سے-----

" ماہین "

اب کی بار انہوں نے سختی سے تنبیہہ کی تھی۔ زیاد ہونٹ بھینچے کھڑا تھا۔

"تماشہ مت بناؤ۔ جنازہ اٹھانا ہے "

" ہرگز نہیں "

وہ ڈھال بن کر جنازے کی چارپائی کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔ اب کیا بچا تھا جو وہ اس سے چھین لیتا ؟ اب رہ ہی کیا گیا تھا جس سے وہ اسے ڈراتا ؟؟؟؟

میری ماں کے جنازے کو انکے ہاتھ نہیں لگیں گے۔ یہ آگے نہیں بڑھیں "

" گے۔ اس گھر میں انکا ایک قدم بھی اور برداشت نہیں کروں گی میں

میرے سامنے میرے بیٹے پہ تہمت لگائی اور اب ساری دُنیا کے سامنے تماشہ "

" لگا رہی ہو۔ میرے بیٹے کی بے عزتی میری بے عزتی ہے

" اور آپکے بیٹے کا کندھا میری ماں کی بے عزتی ہے "

اس نے چلا کر کہا تھا۔

" دنیا کا آخری کندھا بھی اگر انکا ہوگا تو بھی مجھے اپنی ماں کے لیئے یہ قبول نہیں "

سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ تو بھوکی شیرنی کی طرح ہاتھ لہرائے، جنازے کے سامنے ڈھال بنی کھڑی تھی۔

" ماہین ہٹ جاؤ "

" نہیں "

وہ قطعیت سے بولی تھی۔ ماں کی چارپائی کی پٹی سے لگی مریم نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ منظر جہاں جو دو فریقین آمنے سامنے تھے۔ ایک طرف وہ سارا خاندان تھا جو ایک جُٹ تھا۔ اور دوسری طرف وہ اکیلی لڑکی۔ اس نے آنکھیں موند کر گہری سانس بھری۔

اس دن تایا کے گھر سے واپسی پہ ماہین نے بڑی آس سے اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا تھا۔

" باجی، آپکو مجھ پہ اعتبار ہے ؟؟؟؟؟ "

اس نے تب کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اب شاید اسے جواب دینا چاہیئے تھا۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس مجمع میں اسے دیکھا جو اسکے دل میں بستا تھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اسے اسکی محبت پہ یقین تھا۔ وہ جانتا تھا وہ جب ترازو میں اسکی محبت تولے گی تو وہ ہر شے سے وزنی رہے گی۔ پھر مریم نے اپنی انگلی میں پڑی وہ انگوٹھی محسوس کی۔ ایک لمحہ اور وہ اسے اتار کر زمین پہ چھوڑ چکی تھی۔ زیاد بے یقینی سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ وہ مضبوطی سے ماہین کا ہاتھ تھام چکی تھی۔

سارے خاندان کے سامنے ہمیں ذلیل کر کے رکھ دیا اس چھٹانک بھر کی لڑکی "
" نے۔ ہونہہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

تائی امی نے نخوت سے کہا تھا۔ بڑے تایا بھی وہیں کرسی پہ بیٹھے تھے۔

اپنے کرتوت نہیں دیکھتی جن کے پیچھے قبر تک پہنچ گئی اسکی ماں، الٹا میرے پہ "
برس رہی تھی۔ اور وہ بڑی والی ------ بڑا اچھا کیا زیاد نے جو رشتہ پہلے ہی ختم
"کردیا، جان چھوٹی

زیاد نے بغور باپ کو دیکھا

اتنے سالوں کی غلامی اور یہ صلہ دیا آپکے مرحوم بھائی کی اولاد نے۔ خوش ہیں "

"اب سارے محلے کے سامنے بے عزتی کروا کر ؟؟؟؟؟؟؟؟

انہوں نے سر جھکا لیا

جب جبان پہ تھو تھو ہو گی، جو جو خاک انکے سروں میں ڈلے گی ابو وہ اب "

"مفت میں ہمارے حصے بھی آئے گی۔ یہ صلہ ملا ہے ہمیں

"میری نیت تو صاف ہے ناں "

"کیا مل گیا نیتیں صاف رکھ کر ؟؟؟؟ "

تائی امی نے فوراً کہا تھا۔

نہیں ابو، اب جو کروں گا میں کروں گا۔ اب دیکھیئے گا میں اس بے عزتی کا کیسا "

"بدلہ لیتا ہوں۔ اور اب آپ میرے راستے میں نہیں آئیں گے

وہ سخت لہجے میں کہتا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

امی کو فوت ہوئے دو ہفتے ہو چکے تھے۔

سبھی مہمان رشتے دار جا چکے تھے۔ جانے والوں کو ویسے بھی کوئی کب تک روتا ہے، ایک حد کے بعد آنکھیں خشک ہو ہی جاتی ہیں۔ جو بھرا ہوا ہے، سوکھ جانا اسکا مقدر ہے۔

تائی امی نے سارے خاندان اور محلے میں اسکے اور ابرار کے قصے پھیلا رکھے تھے۔ رہی سہی کسر چھوٹی تائی نے پوری کردی تھی۔ مہر نے پورا پورا ساتھ دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ اسکا تن گندا ہوتا، اسنے سامنے والے کے کپڑے داغدار کر دیئے تھے۔ اسکے سکول تک کہانیاں پہنچ گئی تھیں۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ اسکی دوستیں دور ہوتی گئیں۔ استانیاں ہتک بھری نظروں سے دیکھنے لگی تھیں۔ دوسری طرف مریم کا بھی یہی حال تھا۔ کالج میں اسکی ہر بات پھیل گئی تھی

اسکی منگنی ٹوٹ گئی ہے---- کیوں---- اسکی بہن کی وجہ سے----- توبہ "
توبہ اس اتنی سی کا چکر تھا----- یہ بھی ایسی ہی ہوگی----- لعنت ہے-----
"

خوب لعنتیں ملامتیں، نفرتیں اور بے عزتی۔

دوسری طرف سے زیاد نے گلے کے گرد پھندا کس دیا تھا۔ فیکٹری کا پیسہ مکمل بند کردیا تھا۔ اب ایک پھوٹی کوڑی ان تک نہیں پہنچتی تھی۔ باہر ہی باہر جانے کیسی ہیرا پھیری کی اور سارا کچھ اونے پونے بیچ دیا۔ انہیں دکھایا ٹھینگا۔

دو بچیاں اور وہ خاندان۔ وہ کیسے پوری پڑتیں؟؟؟؟؟؟؟

تمہیں کہا تھا تمہیں برباد کردوں گا ماہین۔ میری مانتیں رہتیں تو فائدے میں "
" رہتیں۔ گھاٹے کا سودا تم نے خود کیا۔

وہ جانتی تھی اس نے ہمیشہ گھاٹے کا سودا ہی کیا تھا۔ اسے پتہ تھا اسکی ناقص عقل اتنی نہیں تھی کہ اس چلتر دنیا کا مقابلہ کر پاتی۔ اسے پتہ تھا اس کا انجام یہی ہونا تھا۔

ختم شد

جوائن ناول بینک فیس بک گروپ
www.facebook.com/groups/NovelBank

انسٹاگرام پر ناول بینک کو فالو کریں
www.instagram.com/pdfnovelbank

بہترین اور اچھی اچھی اردو سٹوریز پڑھنے کے لئے یہ یوٹیوب چینل سسکرائب کریں۔
https://youtube.com/channel/UCQo-i6Ll32LDErKmnsfQ5MQ